بجملہ حقوق محفوظ

# زُلفی

یعنی

## جنگل کی پہلی کہانی

ایک انسان کا بچّہ جو بھیڑیوں میں پلا

مصنفہ

محمد عنایت اللہ خاں بی۔اے

سنہ ۱۹۳۸ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار ششم

قیمت ۴؍۳ پائی

T.T.F LIBRA
No: 108

جملہ حقوق محفوظ

# زُلفی

یعنی

T.T.F LIBRARY
No: 108

## جنگل کی پہلی کہانی

ایک انسان کا بچہ جو بھیڑیوں میں پلا

مصنفہ
محمد عنایت اللہ خاں بی-اے

۱۹۳۸ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۴ر ۳ پائی

بار ششم

Taj Tahir Foundation

# دیباچہ

نوجوان احباب کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ آپ میں بعض تو وہ ہیں۔ جن کو خود کچھ لکھنے کا شوق ہے۔ یہ احباب تو کسی دوسرے کے لکھے کو پڑھنا عذاب بلکہ عذاب سے بھی بدتر سمجھتے ہیں ۔

بعض دوست ایسے ہیں۔ جنھوں نے ایک خاص مذاق سخن پیدا کرلیا ہے۔ اور اُس کے ایسے ہی پابند ہیں۔ جیسے کوئی اپنے مذہب کا پابند ہو۔ نئی تصانیف سے بالعموم اور انگریزی ترجموں سے بالخصوص انہیں نفرت ہی نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی عداوت ہے۔ ان کی طبیعتیں نہایت نازک ہیں۔ جیسے سونے چاندی کے ورق ہوتے ہیں۔ کہ جہاں ذرا سی ہوا لگی۔ اور وہ ٹوٹے + اگر کوئی مبتدی (گو خود اُنھوں نے ابھی تک کچھ شروع نہ کیا ہو) کچھ لکھ کر اُن کو سُنانے بیٹھتا ہے۔ تو اُن کا جی بیٹھنے لگتا ہے۔ قلب کی حرکت بگڑ جاتی ہے۔ دل میں کہتے ہیں۔ کہ یہ

Taj Tahir Foundation

کم بخت کر کر کے روٹی کے نوالے بنا بنا کر ہمیں کھلانے کو کہاں سے آن مرا۔ اگر خدانخواستہ کہیں کسی محاورہ میں غلطی کی۔ یا کوئی متروک لفظ نادانستہ استعمال کر گیا۔ یا کہیں سے کے کا کی ترکیب میں اُلجھن پڑ گئی۔ تو بس لکھنے والا قابل دار ٹھہرا۔ نہایت تلاش و جستجو سے کوئی ذکر ایسا چھیڑ دیا۔ کہ پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ یہ دوست اپنے اخلاق کو اتنی وسعت نہیں دیتے۔ کہ دوسروں کی حماقتوں کو سُننے میں اپنا وقتِ عزیز ضائع کریں۔ گو اس "وقتِ عزیز" کا کوئی اَور مصرف بھی اس وقت نہ نکلتا ہو۔ ان کے نزدیک کسی کی بات کو سُننا ایسا مُتحمل ہے۔ جس کو سخاوت پر ترجیح دینا آسان ہے۔ یہاں تک تو کسی مضمون کو مصنّف کی زبانی سُننے کا حال ہُوا۔ رہا کتاب کا پڑھنا۔ تو وہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ کتاب کی قیمت پڑھنے کی مصیبت سے سبکدوش کر دیتی ہے ؀

بعض احباب انگریزی دان ہیں۔ ان کے دربار میں فرشتوں کے بھی پَر جلتے ہیں۔ ان صاحبوں کے نزدیک اُردو کتاب پڑھنے میں اگر ذلّت نہیں ہے۔ تو خفّت میں تو ہرگز کلام نہیں۔ اس کے علاوہ ان عزیزوں کو وقت کی قلّت روپیہ کی کمی سے بھی زیادہ خوار رکھتی ہے۔ گھڑیاں سب کے پاس ہوتی ہیں۔ مگر وقت کسی کے پاس نہیں نکلتا۔ بالخصوص حالت بیکاری میں۔ ایسے دوستوں سے متوقع ہونا کہ وہ کسی اُردو کتاب کو پڑھیں گے۔ اوّل درجہ کی گستاخی ہے۔ انگریزی زبان کا علم



جس قدر ہے وہ کافی ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ اُردو زبان کوئی چیز نہیں مَیں اس بحث کو زیادہ طول نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میرے پاس بھی وقت بہت کم ہے ؀

بعض دوست مگر معدودے چند وہ ہیں۔ جن کو ہر قسم کے لٹریچر میں ایک لُطف حاصل ہوتا ہے۔ وہ سخن شناسی کو طبیعت کا جوہر سمجھتے ہیں۔ اور اگر کمی ہوتی ہے۔ تو اس کو سیکھ کر ہر قسم کی تحریر پرکھنے کا مادہ پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ وصف ہوتا ہے۔ کہ جہاں کسی کے مُنہ سے کوئی اچھی بات سُنی۔ یا کسی کتاب میں اچھا فقرہ دیکھا۔ پھر اس خیال میں کہ ہم اس سے بہتر کہہ سکتے ہیں۔ ایسے محو ہو جاتے ہیں۔ کہ پہروں اُن کی طبیعت غیر حاضر رہتی ہے۔ اور سُننا یا پڑھنا بالائے طاق ہو جاتا ہے ؀

غرض مجھ کو ان تمام دوستوں میں کسی سے بھی توقع نہیں۔ کہ وہ اس قصّہ کو پڑھیں گے۔ اور نہ اُن کے پڑھنے سے کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اگر کسی کا ہنسنے کو جی نہ چاہے۔ تو کیوں ہنسے ؀

لیکن اگر مفت نذر ہونے کے بعد اتفاق سے اس قصّہ کو پڑھنے کی نوبت آئے۔ تو میرے اعتبار پر اتنا ضرور یقین فرما لیں۔ کہ یہ ترجمہ نہیں ہے۔ اگر ترجمہ اور تصنیف کے بیچ میں یا اس کی حد سے باہر کوئی چیز تصنیف سے بھی زیادہ خونِ جگر کی پینے والی ہو۔ تو وہ یہ تحریر ہے۔

Taj Tahir Foundation

رڈیرڈ کپلنگ صاحب کی مشہور کتاب جنگل بُک کی یہ پہلی کہانی ہے۔ قصے کے اکثر حصّوں کو بار بار پڑھ کر مطلب کو ذہن میں لایا ہوں۔ اور اصل کتاب بند کر کے طرز تقریر اور انداز بیان میں اُردو زبان کی رعایتیں کر کے مطالب کو لکھا ہے۔ اگر اس کو بھی آپ اَور ترجموں میں شامل کریں تو خیر۔ وائے بر حالِ من ۔

اس قصّے سے نہ کوئی اخلاقی نتیجہ نکلتا ہے۔ نہ کسی قسم کی صحیح معلومات پیدا ہوتی ہے۔ محض لڑکوں کے ہنسانے اور اُن کا ذہن تیز کرنے اور تصوّر کو بڑھانے کے لئے جانوروں کی کہانی نئے پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔

ع ۔ ا

۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء



# سیونی کا جنگل

سیونی کی پہاڑیاں چاروں طرف سنسان کھڑی تھیں۔ دن بھر بڑے زور کی گرمی پڑی تھی۔ سُورج ڈوب کر اندھیرا ہونے کو تھا۔ کہ ایک بھیڑیا اپنے بھٹ میں دن بھر کی نیند لے کر چونکا۔ سر اُٹھاتے ہی دو چار جگہ سے پوستین کو چاٹا۔ دانتوں سے دُم کھجائی۔ پھر اُٹھ کر ایک لمبی چوڑی انگڑائی لی۔ اور ایک پاؤں بڑھا کر پنجے چٹخائے۔ تاکہ ناخنوں سے نیند کا خمار دُور ہو۔ پاس ہی ایک لمبے چوڑے سے پتھر پر گھر والی کچھ جاگتی۔ چار موٹے تازے ننھے ننھے بچّوں کو کلیجے سے لگائے ایک طرف تھتنی دوسری طرف دُم کمان کی صورت پڑی تھیں۔ بچّے خوب کُلل بُلل کر رہے تھے۔ قُوں قُوں کر کے ایک پر ایک گدا گد گرتا تھا۔ اور دو چار لڑکنیاں کھا کر پھر ماں کے سینے سے جا چمٹتا تھا۔

جنگل میں اندھیرا بڑھتا جاتا تھا۔ کہ اتنے میں چاند کی روشنی تیز

Taj Tahir Foundation

ہوئی۔ اور بھٹ میں بھی جہاں یہ سارا کنبہ رہتا تھا۔ اُجالا ہو گیا۔ بھیڑیا ہوشیار تو ہو ہی چکا تھا۔ چاندنی دیکھتے ہی غُرّایا۔ اور زور سے چھینک کر بولا "اُٹھ یار بن باسی۔ شکار کا وقت آ پہنچا۔ روزی کی فکر کر" یہ کہہ کر چاہتا تھا۔ کہ بھٹ سے نکل کر پہاڑ کے نیچے اُترے۔ کہ گھر کی دہلیز پر جھاڑو کی سی پرچھائیں دکھائی دی۔ اور سفید سفید دانت اندھیرے میں پورے نظر نہ آئے تھے۔ کہ آواز آئی "عمر دولت زیادہ۔ فرزند جئیں۔ دانتوں میں تیزی۔ پنجوں میں قوّت۔ رات دن شکار ماریں کہ ہم بھوکوں کا بھی ساجھا رہے"

یہ جھٹ پٹے کے بھکاری میاں گیدڑ تھے۔ چونکہ فضلہ نوشی آپ کا شیوہ تھا۔ اس لئے سارے جنگل میں طباؔقی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ویسے بھی رکابی مذہب رکھتے تھے۔ اِدھر کی بات اُدھر لگا کر فساد ڈلوا دینا۔ ان کے نزدیک کوئی بات نہ تھی۔ رات دن چُغلیاں کھانے کے علاوہ گاؤں گاؤں چکّر لگاتے تھے۔ اور کوڑیوں پر جو کچھ ملتا تھا بے تکلّف نوش کر جاتے تھے۔ بھُوک کے ایسے سچّے تھے۔ کہ گوشت پوست تو درکنار پھٹے پُرانے چیتھڑے تک نوچ نوچ کر پیٹ میں بھر لیتے تھے۔ سُوکھے چمڑے اور پُرانی جُوتیوں کا تو کیا ذکر ہے۔ غرض اسی کھانے پینے کی بے احتیاطی نے ان کو بھیڑیوں کی قوم میں جو ذات کے اُونچے اور گھرانے کے سب میں بڑے ہیں۔ سخت ذلیل و خوار



کر دیا تھا۔ اور پھر اس خوش اوقاتی پر ایک طُرّہ یہ اَڈر تھا۔ کہ کبھی کبھی پاگل ہو جاتے تھے۔ اور خدا وہ دن نہ دکھائے۔ کہ میاں طباقی کا دل اُلٹے۔ سارا جنگل نمونۂ محشر ہو جاتا ہے۔ پھر ان کو کس کا لحاظ۔ کس کی شرم۔ دُم سیدھی کئے جنگل میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور جو ملتا ہے اُس کو کاٹ کھاتے ہیں۔ اور جو اپنا درجہ ہوتا ہے۔ وہ ہی دوسرے کا درجہ کرتے ہیں۔ اس لئے جنگل والوں کو ان سے نفرت ہی نہیں ہے۔ بلکہ جان کا بھی خوف رہتا ہے۔ کہ خدا جانے کس وقت پاگل ہو جائیں۔ بھیڑیئے شیر تک کا یہ حال ہے۔ کہ جہاں ان حضرت کی وارفتگی کا حال سُنا۔ اور ڈر کے مارے کہیں دبک کر بیٹھ رہے۔ سچ یہ ہے۔ کہ بن باسیوں میں دیوانگی سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں۔ اور یہ عیب اگر ہے۔ تو میاں طباقی میں سب سے سوا ہے۔ ان ہی سے شروع ہوتا ہے۔ اور ختم خدا جانے کس کس پر ہوتا ہے ؀

بھیڑیا گیدڑ کی دُعائیں سُن کر ٹھٹک گیا۔ اور بے لطف ہو کر بولا۔ "میاں طباقی تم آتے بھی ہو۔ تو ایسا وقت نکال کر آتے ہو۔ کہ کھانے کے نام بھورا تک نہ نکلے۔ بھلا اس وقت کیا رکھا ہے۔ تمہیں یقین کیونکر آئے۔ اندر آ کر خود دیکھ لو"

یہ سُن کر طباقی پھر دُعائیں دینے لگے۔ اور بولے "حضور جو کچھ فرمائیں بجا ہے۔ اس وقت سرکار کے لائق خاصہ میں کچھ نہ ہو گا۔ مگر ہم بھُوکے

Taj Tahir Foundation

فاقہ کشوں کو تو چچوڑی ہڈیاں بھی تازے شکار سے بڑھ کر ہیں۔کمین ذات کو اس سے کیا۔کہ سامنے کیا آیا۔جو مل گیا۔پیٹ بھرنے سے کام"۔یہ کہہ کر میاں گیدڑ بھٹ میں داخل ہوئے۔دُور کونے میں رات کی بچی کھچی ہرن کی ران پڑی تھی۔گوشت برائے نام تھا۔نری ہڈی ہی ہڈی باقی تھی۔پیٹ میں آگ تو لگ ہی رہی تھی۔بہت خوش ہوئے۔دبے پاؤں آگے بڑھے۔اور دوزانو بیٹھ اگلے پنجوں میں ہڈی پکڑ مزے لے لے کر چچوڑنے لگے ؟

جب ہڈی کو چاٹ چوٹ ٹھکنی بنا دیا۔تو دو چار چٹخارے بھر کر بھیڑیے کی بیوی سے کہنے لگے "۔مائی صاحب۔اللہ آپ کا بھلا کرے۔اس وقت بڑا سہارا ہو گیا۔خدا جانے کتنے در مانگنا پڑتا۔او ہو۔یہ تو مَیں نے دیکھا ہی نہ تھا۔ماشاءاللہ ایک چھوڑ چار چار ہیں۔اور پھر کیسے موٹے تازے نرم نرم ہیں۔(بچوّں کو دیکھتے ہی میاں طباقی کے مُنہ میں پانی بھر آیا) اللہ عمر دے ابھی تو دُودھ پیتی جانیں ہیں۔جب کُچلیاں نکل آئیں گی۔ہاتھ پاؤں میں جان آجائے گی۔تو ان کی بہار دیکھئے گا۔گبرو جوان ہو کر جاڑے گرمی پچھلے پہرے جب روند میں نکلا کریں گے۔تو شیر تک کے ٹکڑے اُڑا دیں گے۔چہرے تو ملاحظہ ہوں۔کیسے اصیل ہیں۔آنکھوں کی چمک۔حف میری نظر"۔

گیدڑ یہ تو جانتا ہی تھا۔کہ بچوں کے مُنہ پر بچوّں کی تعریف اچھی نہیں



ہوتی۔دوسرے ماں باپ کو نظر گذر کا بھی ڈر رہتا ہے۔مگر خصلت کو کیا کرتا۔جب دیکھا۔کہ میاں بیوی کو یہ تعریف ناگوار گذری۔تو دل ہی دل میں خوش ہُوا۔کچھ دیر دُم سمیٹے پنجوں پر سر جُھکائے خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔کہ کوئی تازی خبر سُنا کر نیا شگوفہ کھلائیے۔کہ اتنے میں کچھ یاد آیا۔اور بھیڑیئے سے مخاطب ہو کر بولا"۔آپ نے تو شاید نہ سُنا ہو گا۔شیر خاں صاحب نے فی الحال اپنی شکارگاہ تبدیل کر دی ہے۔کل شب کو خدمت میں حاضر ہُوا۔تو فرمانے لگے۔کہ اس چاند چاند صرف سیوفی کی پہاڑیوں میں شکار کھیلا جائیگا"۔ شیر خاں نام کو تو خیر شیر تھے۔مگر اصل میں ایک لنگڑے بدطینت بد خصلت جانور تھے۔جو یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر بان گنگا کے کنارے ایک سُوکھے نالے میں رہا کرتے تھے۔پیدائشی لنگ رکھنے کی وجہ سے اکثر تین ٹانگوں پر چلتے تھے۔اس لئے جنگل میں بالعموم وہ حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ؟

یہ خبر سُنتے ہی بھیڑیا ناخوش ہو کر بولا"۔یہ تو فرمائیے۔کہ آپ کے آقائے نامدار کو جن کے آپ خانہ زاد ہیں۔کہیں آپ کی طرح کوئی سودا تو نہیں اُٹھا ہے۔بھلا یہ تو فرمائیں۔کہ جنگل کا وہ کون سا قانون اور ضابطہ ہے۔کہ بغیر اطلاع کے کوئی درندہ اپنے شکار کی جگہ تبدیل کر سکے۔یہاں تشریف لائے۔تو سوائے اس کے کیا ہو گا۔کہ کوسوں تک شکار ہوشیار ہو جائے گا۔اور مصیبت ہم پر آئے گی۔جن کو فقط اپنا

Taj Tahir Foundation

ہی پیٹ پالنا نہیں ہے۔ بلکہ بیوی بچوں کا بھی ساتھ رکھتے ہیں۔"

بھیڑیئے کی بات پوری ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ گھر والی پڑے ہی پڑے جل کر خاک ہوگئیں۔ "اے ہے۔ سچ ہے۔ اس موئے شیر خاں کی ماں اس کو لنگڑا لنگڑا یونہی نہیں کہا کرتی تھی۔ یہ موا تو جنم کا عیبی ہے۔ شکار کو کیا جانے۔ کس چڑیا کا نام ہے۔ اَدھ موئی گائے۔ بھینسوں کے سوا ہم نے تو نہیں سنا۔ کہ اس بے ایمان کو کچھ ہاتھ بھی لگا ہو۔ اور اب موا بے غیرت اس جوگا بھی نہیں رہا ہوگا۔ گاؤں کے اہیر پیچھے پڑے ہوں گے۔ جو یہاں جان بچانے آیا ہے۔ خود تو فاقے مر چکا۔ اور اب ہم کو بھوکا مارے گا۔ اور جو یہاں بھی دشمنوں نے کھوج لگا کر ہانکا ڈال دیا۔ اور اس گھر سوکھی سا کی گھاس میں آگ لگا دی۔ تو یہ موذی تو کہیں دفع دفان ہو جائے گا۔ ہم ان بچوں کو لے کر کہاں غارت ہوں گے + اے ہے۔ اس جوانا مرگ شیر خاں نے اس کا ستیاناس جائے۔ ہمارے ساتھ تو جب کیا ایسا ہی سلوک کیا۔ اس نمک حرام گیدڑ کو تو دیکھو۔ اسے موت لے جائے۔ ہمیں خبریں سنانے آیا ہے۔ شیر خاں کے سامنے کچھ منہ سے نہ پھوٹا۔ آخر ہمارا نمک بھی تو کھایا تھا"

میاں طباقی یہ تیز باتیں سنتے ہی دم دبا کر بھاگنے کو تیار ہو گئے۔ مگر سوچے کہ کوئی نشانہ خالی نہ جائے۔ فرمانے لگے "پھر اگر ارشاد ہو۔ تو اس سلوک کا حال شیر خاں صاحب کی خدمت میں گزارش کروں۔" بھیڑیا گیدڑ



کی فطرت کو تاڑ گیا۔ اور ایک دفعہ ہی بھبک کر بولا "دور ہو موذی جس کا غلام ہے۔ اسی کی خوشامد کر۔ آج کے شکار کا تو ناس کھو دیا۔ اور کیا چاہتا ہے"

اتنا سنتے ہی میاں طباقی ایک چھلانگ میں بھٹ سے باہر آئے۔ اور یہ کہتے ہوئے نوک دم بھاگے "بہت خوب۔ بہت خوب۔ بندہ رخصت۔ خود ہی سن لیجئے۔ وہ ندی کے کنارے جھاڑیوں میں شیر خاں آن پہنچے"

بھیڑیئے نے جھٹ دونوں کان اونچے کر لئے۔ اور غور سے سننا شروع کیا۔ پہاڑ کے نیچے جہاں گھاٹی میں ندی بہتی تھی۔ غرانے کی آواز آئی۔ آواز میں ایسی گرج تھی جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ حالت بہت غیظ و غضب کی ہے۔ اور اس بات کی مطلق پروا نہیں۔ کہ کوئی سنتا ہے یا نہیں۔ بھیڑیا اتنا سنتے ہی گھر والی سے کہنے لگا "سنتی ہو۔ اس احمق کو۔ شروع رات کا تو شکار ہے۔ اور آواز میں کس بلا کی تیزی ہے۔ بیوقوف سمجھتا ہے۔ کہ ہمارے جنگل کے ہرن اور پاڑے بھی بان گنگا کی مریل گائے بھینسیں ہیں۔ آنکھوں کی اندھی اور کانوں کی بہری۔ جن کو سوائے چرنے کے کسی بات کا ہوش نہیں"

بھیڑیئے کی بیوی بولی "واہ آپ بھی خوب سمجھے۔ کس کا ہرن اور کس کا پاڑا۔ یہ آدمی کا شکار ہو رہا ہے۔ ذرا غور سے سنو" بھیڑیئے کی جورو یہ کہتی ہی تھی۔ کہ آواز کی کیفیت بدل گئی۔ اور اس کی گونج ایسی تیز ہوئی کہ سارے جنگل میں سما گئی + یہ وہ قیامت کی آواز ہے۔ جو بیبیوں کو موت کا لقمہ بنا دیتی ہے۔ بھولے بھٹکے مسافر۔ غریب لکڑہارے۔ اور بنجارے جن

کی منزل شام سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔ تھک کر جنگل ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ یہ آواز اُن کو گہری نیند سے جگا کر بدحواس کر دیتی ہے۔ اور وہ اکثر جان بچانے کے لئے اسی طرف بھاگتے ہیں۔ جدھر اس موت کا سامنا ہوتا ہے۔

بھیڑیا بیوی کی بات سُن کر بہت تاسُّف اور غصّہ سے بولا۔ "استغفر اللہ کیا گنگا کے کنارے کیڑے مکوڑے مرے مینڈک سڑی مچھلیاں پیٹ کو نہیں ملتیں۔ کہ اب اس بدبخت نے آدمیوں کو مار مار کر کھانا شروع کیا ہے۔ وہ بھی ہمارے جنگل میں"!

بھیڑیئے کا یہ خیال کچھ بیجا نہ تھا۔ کیونکہ انسان کی طرح جنگل میں رہنے والوں میں بھی ایک قانون جاری تھا۔ یہ قانون بن پوتھی کے نام سے مشہور تھا۔ اور تمام درندے چرند و پرند اُس کے پابند تھے۔ اس کا دریافت کرنا تو ذرا مشکل ہے۔ کہ یہ قانون کی کتاب کن وقتوں سے جاری تھی۔ مگر یہ سب جانتے تھے۔ کہ اس میں کوئی بات بغیر دلیل اور ثبوت کے بیان نہیں کی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ بن کی پوتھی میں بار بار حکم دیا گیا تھا۔ کہ کوئی درندہ انسان کو قتل نہ کرے۔ صرف ایک صورت مستثنیٰ بیان ہوئی تھی اور وہ یہ تھی۔ کہ جب کوئی ماں یا باپ اپنے بچّوں کو شکار کا کرتب سکھاتا ہو اور محض تعلیم کی غرض سے مثالاً انسان کو شکار کر ڈالے تو مضائقہ نہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی گئی تھی۔ کہ اس قسم کا شکار ہرگز ان حدود کے اندر واقع نہ ہو۔ جو اپنے غول کے شکار کے لئے مخصوص کی گئی



تھیں + گو یہ قانون بہت سخت تھا۔ اور اکثر درندوں کو اس کا متحمّل ہونا شاق گذرتا تھا۔ مگر پھر بھی سختی سے اس کی پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے کئی سبب تھے۔ جن کو جنگل کے مہا پنڈت بھالو جی جھمورے نے بڑی صراحت سے بیان کیا ہے + پہلا سبب یہ تھا۔ کہ جہاں کسی انسان کا قتل مشہور ہُوا۔ فوراً دو ٹانگ کے کالے پیلے جانور ہاتھیوں پر چڑھ بندوقیں لے جنگل میں گھُس پڑتے تھے۔ اور سارے جنگل کو چھان مارتے تھے۔ جس سے بن کے تمام جانوروں کو سخت اذیّت پہنچتی تھی + دوسرا سبب بھالو جی نے یہ تحریر کیا ہے۔ کہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ کم زور اور محتاج انسان ہے۔ اس لئے شانِ صیّادی کے خلاف ہے۔ کہ ایسے بودے حیوان کا شکار کیا جائے + تیسرا سبب جو سب سے قوی تھا۔ یہ تھا۔ کہ جہاں کسی درندے نے آدم خواری شروع کی۔ اور سوداوی خلط کو ترقی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کچلیاں جلد ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور پوستین کے بال کم ہوتے ہوتے بالکل خارشتی ہو جاتا ہے +

غرّانے کی آواز تیز ہوتے ہوتے ایک دفعہ ہی اڑا اڑا دوں کر کے شیر دہاڑا۔ اور دہاڑ کے ساتھ ہی کسی چیز کے گرنے کا دھماکا ہُوا۔ بھیڑیئے کی جورو گھبرا کر بولی "معلوم ہوتا ہے۔ شکار چھُٹ گیا۔ دیکھو تو کیا چیز تھی"؟ بھیڑیا دو چار قدم آگے بڑھا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ شیر غصّے اور تکلیف سے بے تاب ہو کر چیختا ہے۔ اور ایک پنجہ زمین پر دے دے مارتا ہے۔ یہ

Taj Tahir Foundation

ماجرا دیکھ کر بھیڑیا گھر والی سے بولا "یہ تماشہ بھی دیکھتی ہو۔ احمق کو اَور کچھ بن نہ پڑا۔ تو لکڑہاروں کے الاؤ پر جا کُودا۔ اور اگلا پنجہ جلا لیا۔ طباقی بھی ساتھ ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ وزیرے چُنیں شہر یارے چناں"۔

بھیڑیا اتنا کہنے نہ پایا تھا۔ کہ بیوی نے دبی آواز سے کہا "دیکھنا، ہوشیار ہو جاؤ۔ کوئی چیز بھٹ کی طرف آتی ہے"۔

یہ کہتے ہی گھاس میں کچھ آہٹ ہوئی۔ اور بھیڑیا جھٹ دبکی لگا ہو بیٹھا۔ اب جو کچھ ہُوا وہ دیکھنے اور حیرت کرنے کے قابل تھا۔ بھیڑیئے نے کسی چیز کو پاس آتا دیکھ کر اس پر جست کی۔ مگر جست پوری نہ ہوئی تھی کہ بیچ ہی میں رُکنا چاہا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ زمین سے سیدھا چار ہاتھ اُڑ کر دفعتہً پلٹا اور جہاں سے اُچھلا تھا۔ پھر وہیں دھم سے آن گرا۔ اور گرتے ہی جھنجلا کر بولا "جا کم بخت تیرا بُرا ہو۔ تُو اس وقت کہاں"۔ بات یہ ہوئی تھی۔ کہ بھیڑیئے نے جس چیز پر شکار سمجھ کر جست کی تھی۔ وہ آدمی کا بچہ نکلا۔ جس کو ابھی پورا پاؤں چلنا بھی نہ آیا تھا۔ کالا کلوٹا۔ ننگا دھڑنگا۔ انگوٹھے چُوستا گرتا پڑتا جھونکے کھاتا چلا آتا تھا۔ جونہی بھیڑیئے سے چار آنکھیں ہوئیں۔ کلکاریاں مار کر ہنسنے لگا۔

گھر والی بچے کو دیکھتے ہی کہنے لگی "اے ہے کیا آدمی کا پلّا ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کو ذرا یہاں اُٹھا لاؤ۔ مَیں نے آدمی کا بچّہ کبھی غور سے نہیں دیکھا"۔

بھیڑیئے نے بچّہ کو مُنہ میں پکڑ کر اس طرح اُٹھایا۔ کہ اس کی نازک



جلد پر دانتوں کا نشان تک نہ ہُوا۔ اور بھٹ کے اندر لا کر اپنے بچّوں میں ڈال دیا۔ جو اتنے میں ماں کو چمٹ کر دُودھ پینے لگے تھے + گو آدمی کا بچّہ تھا۔ پر بھیڑیئے کی بیوی مامتا رکھتی تھی۔ ترس کھا کر کہنے لگی "اے ہے نگوڑا ذرا سی جان۔ بالکل ننگا بوٹی ہے۔ جاڑے پالے میں کیونکر جیتا ہوگا دیکھنا مُوا نڈر کیسا ہے"۔ ادھر یہ باتیں ہوتی تھیں۔ ادھر بچّے نے فرصت پائی۔ ایک پلّے کی دُم پکڑ اس کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ پلّا ٹیاؤں ٹیاؤں کر کے چکّر کھانے لگا۔ اور یہ جھٹ گرمائی پا اس کی مَیّا کے کلیجے سے چمٹ چُسر چُسر دُودھ پینے لگا + بچّوں کی ماں یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گئی اور مُسکرا کر میاں سے کہنے لگی "یہ حرکت بھی دیکھی تم نے۔ خدا جانے کس وقت کا بھُوکا ہے۔ دیکھنا مَیں کہتی ہوں۔ اب کے دُودھ کی تو کچھ کمی نہیں۔ مُفت میں پل جائے گا۔ اور کچھ نہیں۔ برادری میں نام تو ہوگا کہ ایسی عجوبہ چیز کسی کے ہاں نہیں۔ کہاں بھیڑیا کہاں آدمی!"

بھیڑیا بولا "نہیں یہ بات تو نہیں ہے۔ بھیڑیئے کے بھٹ میں آدم زاد کے پلنے کا ذکر تو اکثر سُنا ہے۔ مگر اپنے غول میں اتنی عمر ہونے کو آئی۔ یہ بات نہ کبھی دیکھی۔ اور نہ کبھی سُنی۔ تم کو اس پر بہت ترس آیا۔ مَیں تو ایک ہی پنجے میں کام تمام کر دیتا۔ جلد تو دیکھو کیسی نازک ہے۔ مگر آدمی کا گوشت مجھ کو کیا کسی بھیڑیئے کو بھی نہیں پچتا۔ دوسرے یہ مجھ سے ڈرا نہیں۔ دیکھو تو ایک ایک کو دیکھ کر ہنستا اور مُہکتا ہے"۔

Taj Tahir Foundation

بھٹ میں یا تو چاندنی کھلی تھی۔ یا گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اور دروازے میں جہاں سے روشنی آتی تھی۔ شیر خاں نے اپنا چو کھونٹا جھاڑ جھنکار مُنہ اور لگلے دونوں پنجے ڈال دئے۔ مگر شانے غار کے مُنہ میں پھنس گئے۔ طباقی دُم کے ساتھ لگے آواز لگاتے تھے "جی ہاں حضور۔ جی ہاں حضور شکار اسی بھٹ میں گیا ہے"۔

بھیڑیا یہ قصّہ دیکھتے ہی ہوشیار ہُوا۔ اور استعجاباً دونوں کان کھڑے کر شیر سے کہنے لگا "آپ نے بڑا کرم کیا۔ جو یہاں تک تکلیف فرمائی۔ مگر وہ ایسی کون سی ضرورت تھی۔ جو اس زحمت کا باعث ہوئی"۔

شیر خاں بہت ہی کچھ مُنہ پھُلا کر غرّائے "باتوں کی فرصت نہیں ہے سیدھی طرح بتاؤ ہمارا شکار کہاں ہے۔ ایک آدمی کا بچّہ اس رستے آیا ہے۔ اس کے ماں باپ بھاگ گئے ہیں۔ اور وہ بھٹک گیا ہے۔ مگر وہ ہمارا شکار ہے۔ فوراً حاضر کرو"۔

یہ تو آپ بھیڑیئے کی زبانی سُن ہی چکے ہیں۔ کہ شیر خاں لنگڑے بھوک میں بیتاب ہو کر ایک لکڑ ہارے کے دہکتے الاؤ پر جا کُودے تھے۔ اور اگلا پنجہ جلا چکے تھے۔ اس وقت کچھ تو ہاتھ میں جلن ہو رہی تھی۔ اور کچھ شکار چھوٹ جانے پر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ غرض حالت غیر تھی۔ بھیڑیا سمجھ گیا۔ کہ شیر کی نیّت فساد کی ہے۔ مگر اطمینان تھا۔ کہ بھٹ کا مُنہ اتنا چوڑا نہیں ہے۔ کہ شیر خاں گھر کے اندر باز پُرس کے لئے تشریف لے آویں۔



بھیڑیئے نے شیر کی گفتگو سُن کر صاف صاف کہنا شروع کیا۔ کہ "خاں صاحب یہ تو آپ کو بخوبی معلوم ہے۔ کہ ہم بھیڑیوں کی قوم ایک بالکل با اختیار اور آزاد قوم ہے۔ جو کچھ حکم احکام ہم پر جاری ہو سکتے ہیں۔ وہ صرف ہماری قوم کے سردار کی طرف سے ہو سکتے ہیں۔ کسی داغی جانور چتکبری کھال والے مُردار خوار کی مجال نہیں ہے۔ کہ ہم کو ہمارے گھر میں آ کر حکم سُنائے۔ آدمی کا بچّہ ہمارا ہے۔ چاہے ہم اس کو ماریں۔ چاہے جلائیں۔ آپ کو اس سے کیا مطلب و غرض؟"

شیر خاں کو اتنی بات کی تاب کہاں تھی۔ غصّہ سے آنکھیں لال کر کے بولے "او کُتّے بکتا کیا ہے۔ مُنہ سنبھال۔ بڑا چاہنے نہ چاہنے والا آیا۔ جانتا بھی ہے۔ ہم سارے جنگل بیابان کے بادشاہ ہیں۔ جن کی حکومت کا بٹانے والا آج تک کوئی پیدا نہیں ہُوا۔ تو سمجھتا کیا ہے۔ سوگند ہے اُس موٹے بجار کی جس کو ہم نے ابھی ابھی گنگا کے نالے میں پھاڑا ہے۔ کہ ایک پل میں تیرے سارے کُنبے کو غارت کر دیا جائے گا" اتنا کہتے ہی شیر خاں غار کے مُنہ پر اس زور سے دہاڑے کہ بھٹ میں خاک اُڑنے لگی۔ اور سارا پہاڑ لرز گیا۔ بھیڑیئے کی جورو یا تو چُپ پڑی یہ قصّہ سُنتی تھی۔ یا ایک دفعہ ہی جھرجھری لے بچّوں کو دُور جھٹک دُم گردن پھُلا لپک کر شیر کی طرف آئی۔ ادھر غصّے سے شیر کے دیدے سُرخ انگارا ہو گئے تھے۔ اُدھر بھیڑیئے کی جورو کی آنکھیں بھی سبز لال ٹینوں سے

Taj Tahir Foundation

کم نہ تھیں۔ غرض جب یہ سُرخ اور سبز روشنیاں قائم ہوگئیں۔ اور غرّاتوں کے ساز خوب اُونچے کھچ لئے تو بھیڑیئے کی بیوی نے یہ زہر اُگلا :-

" او مُوذی۔ تُو شیر ہے۔ تو ادھر دیکھ مَیں بھی جنگل کی ڈائن ہوں۔ کلیجہ تک چبا جاؤں گی۔ بڑا دانت نکوسے غُرفش کرتا۔ گیدڑ کو حمایتی بنا کر آیا ہے " ہمارا شکار حاضر کرو۔ ہمارا شکار ادھر آیا ہے "۔ ارے مُردے تو کیڑے مکوڑوں کو کھانے والا گائے۔ بھینس چوٹا تجھے کبھی شکار نصیب بھی ہُوا ہے جنم کے لنگڑے تیرے دیدوں میں خاک۔ یہ آدمی کا بچہ ہمارا ہے۔ اور لاکھ میں ہمارا ہے۔ تو مانگنے والا کون ہوتا ہے؟ مجال ہے اس کا کوئی بال بیکا تو کرلے۔ بوٹیاں اُڑا دوں۔ خون پی جاؤں۔ ہڈّیاں تک نہ چھوڑوں مجھ ڈائن کو تُو جانتا نہیں۔ ذرا کان کھول کر سُن لے۔ تھرن کی چھاتی پی کر یہ بچّہ جنگل کا شکاری بنے گا۔ ایک دن جنگل چھان مارے گا۔ اور تجھ کو مار کر تیری کھال نہ کھینچی ہو۔ تو میرا نام تھرن نہیں۔ خیر ہے تو سیدھا چلا جا۔ نہیں تو میّا غریب بیٹھ کر روئے گی۔ کہ برخوردار تین ٹانگ سے دو ہی ٹانگ کے رہ گئے۔ دُور ہو مُوئے مَردے خور جنگل کے جلے جانور۔ لنگڑے بَیری "

یہ تقریر سُن کر بھیڑیئے کے بھی اوسان خطا ہوئے۔ اور وہ وقت آنکھوں میں پھر گیا۔ جب کہ شباب کا عالم تھا۔ اور بندھیاچل کے پہاڑوں میں ان بلائے بے درماں سے پہلی مُٹھ بھیڑ ہوئی تھی۔ جب بھی تھرن ہی کے نام سے یہ مشہور تھیں۔ دس پانچ دکھنی بھیڑیئے جن کی ہیبت سے سارا جنگل تھرّاتا تھا۔ ان کے ساتھ جلوس میں رہتے تھے۔ بڑی بڑی خون ریزیوں کے بعد یہ نوبت آئی۔ کہ زمرہ احباب میں شامل ہو کر ان سے بیاہ کی ٹھیر جاوے۔



شیرخاں کا حال یہ تھا۔ کہ بھیڑیئے کا یعنی شوہر کا مقابلہ تو وہ آسانی سے کر لیتے۔ لیکن تھرن سے ان کی رُوح بھی فنا ہوتی تھی۔ اوّل تو بھٹ ایسا تنگ و تاریک تھا۔ کہ وہاں لڑنا سخت دشوار تھا۔ دُوسری مشکل یہ تھی۔ کہ زچہ خانے میں لڑ کر جی کھو دینا بی تھرن کے نزدیک کوئی بات نہ تھی۔ غرض شیر نے لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اور غار کے مُنہ سے اُلٹے پاؤں غرّاتا ہُوا باہر آیا۔ اور دو قدم ہٹ کر کہنے لگا :-

" بھونکے جا کُتیا تیرے ساتھ کون بھونکے۔ دیکھ تو سہی۔ کیسا بتاتا ہوں بڑی چودھرائن بن کر بیٹھی ہے۔ جنگل کے اَوْر پنچ بھی تو ابھی جیتے ہیں۔ وہ بتائیں گے آدم زاد کا پالنا کیسا ہوتا ہے۔ یاد رکھیو۔ یہ بچّہ ایک دن ہماری ڈاڑھ گرم کرے گا۔ ٹھیر جا۔ دُم دار چوٹّی۔ کُل جبتی ڈائن اس بدزبانی کا مزہ ایک دن خوب چکھاؤں گا "

یہ کہہ کر شیر خاں اپنے رستے چلے گئے۔ طباقی بھی دل میں شرمندہ دُم دبائے کان نیچے کئے ہرکارے کی چال روانہ ہوئے۔ چاند کو دیکھ دیکھ کر روتے جاتے تھے۔ اور سوچتے تھے۔ کہ پاس کوئی جوہڑ ملے۔ تو ڈوب مریں مگر بے غیرتوں کو موت کہاں۔ تھوڑی دُور دوڑنے کے بعد سب کچھ

Taj Tahir Foundation

بُھول گئے۔ اور آدھی پر ابھی ایک نہ بجا تھا۔ کہ اُور بھائی بندوں کے ساتھ بن کی چوکیداری کرنے لگے +

اب سُنئے۔ کہ جب شیر بھٹ سے چلا گیا۔ تو بی تھرن اپنے بچّوں میں آن پڑیں۔ جنھوں نے رو رو کر سارے بھٹ کو سر پر اُٹھا لیا تھا۔ آخر عورت ذات تھیں۔ دم قابو میں نہ رہا۔ ناتوانی سے ہانپنے لگیں۔ اور دیر تک چُپ بیٹھی غصّے کو دھیما کیا کیں +

دیر تک میاں بیوی خاموش بیٹھے رہے۔ آخر کو بھیڑیا بولا "ایک بات شیر خاں نے ذرا ٹیڑھی کہی ہے۔ ذرا خوب سوچ سمجھ لو۔ اگر اس بچّے کو اپنے ہاں رکھتی ہو۔ تو ایک دن پنچوں کے سامنے اسے لے جانا ہوگا یا بالکل جی میں ٹھان لی ہے۔ کہ اس کو پالوگی + ہم تو جانیں کھاپی کر فیصلہ بھی کرو۔ کیوں بات بڑھائی۔ کسی کو خبر تک نہ ہوگی" +

تھرن بگڑ کر بولیں "مجھے یہ بے وقت کی ہنسی بھلی نہیں لگتی۔ آخر تمہارے مُنہ پر بھی تو دیدے ہیں۔ اتنا نہیں سُوجھتا۔ کہ یہ نگوڑا ذرا سی جان اوّل تو گرتا پڑتا اپنے آپ ہمارے بھٹ تک آیا۔ رات گئے آیا۔ بھُوکا آیا۔ ننگا آیا۔ کسی سے نہ ڈرا۔ آتے ہی چھاتی پینے لگا۔ پھر پوچھتے ہو۔ پالوگی + یہ بات بھی پوچھنے کی ہے۔ آدمی خود تو سوچے + پھر یہ بات مُنہ سے نہ نکالنا۔ تمہارا کیا جائے گا۔ اس مُوئے لنگڑے قصائی کی طرح تم بھی کھاپی کر گنگا کے کنارے جا سونا۔ اور اس بھٹ کو آگ لگوا دینا" اتنا کہہ مُنہ موڑ بچّے کی طرف ہو بیٹھی۔



اور بچّے سے پیار کی باتیں کرتے کرتے دُم سے تھپک تھپک کر اس کو سُلا دیا +

بھیڑیا دل میں بہت نادم ہُوا۔ اور بولا "یہ تو سب سچ ہے۔ پر اس کا بھی کچھ فکر ہے۔ کہ برادری والے سُنیں گے۔ تو کیا کہیں گے" + تھرن نے میاں کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور بچّوں میں مصروف رہی۔ بھیڑیا اس وقت بہت پریشان تھا۔ شکار کا وقت نکل چکا تھا۔ دوسرے طبیعت یکسو نہ رہی تھی۔ اس حالت میں شکار کو نکلنا بھی تو کیا خاک ملتا۔ پھر یہ قصّہ آدمی کے بچّے کا ایسا چھڑا تھا۔ کہ انجام سمجھ میں نہ آتا تھا۔ غرض جب اپنی عقل نے کچھ مدد نہ کی۔ تو ضابطہ جنگلات پر اس طرح غور کرنے لگا +

جنگل کے قانون میں لکھا ہے۔ کہ شادی کرتے ہی ایک بھیڑیئے کو اختیار ہے۔ کہ غول سے علیحدہ ہو جائے۔ لیکن اگر اس مفارقت کے زمانے میں اُس کے ہاں بچّے ہو جائیں۔ تو پھر اس کا فرض ہوتا ہے۔ کہ ان بچّوں کو جس وقت وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوں۔ پنچ پربت پر حاضر کرے۔ جہاں مہینے کے مہینے چاند کی چودھویں رات کو بھیڑیوں کی پنچایت ہُوا کرتی تھی۔ اور برادری کے سب چھوٹے بڑے اس میں شریک ہُوا کرتے تھے + پنچایت میں بچّوں کا بُلانا اس لئے قرار پایا تھا۔ کہ سب بڑے بوڑھے بھیڑیئے برادری کے بچّوں کی شناخت کرلیں۔ اور ان کو خوب پہچان لیں۔ تاکہ آئندہ لاعلمی کی وجہ سے کوئی فعل کسی بھیڑیئے سے اُن قواعد کے خلاف ورزی عمل میں نہ آئے۔ جن میں بچّوں کی تہذیب و تربیت و حفاظت کے لئے خاص احکام منضبط کئے

Taj Tahir Foundation

گئے تھے، جس وقت اس قاعدے کے بموجب تمام چھوٹے بڑے پلّوں کا معائنہ ختم ہو جاتا تھا۔ تو پھر یہ پلّے کچھ دنوں تک بالکل آزاد کر دئے جاتے تھے۔ کہ جہاں چاہیں اُچھلتے کُودتے پھریں۔ جس بھٹ میں چاہیں بے پوچھے چلے جائیں۔ جس بھیڑیئے کا چاہیں کان پکڑ کر لٹک جائیں۔ یا دُم پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ اور جب تک یہ پلّے جوان ہو کر اپنا پہلا ہرن خود شکار نہ کر لیں۔ کسی بھیڑیئے کو خواہ بھُوکا ہو یا پیٹ بھرا یہ حکم نہ تھا۔ کہ ان پلّوں میں سے کسی کو جان سے مار ڈالے، اور اگر کوئی بھیڑیا ایسا کرتا تھا۔ تو فوراً گرفتار کر کے قتل کر دیا جاتا تھا، بھالو جی نے اس سزا کی کوئی وجہ تو نہیں لکھی ہے۔ لیکن اگر آپ ذرا بھی عقل سے کام لے کر سوچیں گے۔ تو فوراً سمجھ لیں گے۔ کہ یہ قانون کس قدر انصاف پر مبنی تھا۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ بھیڑیئے کے لئے یہ زمانہ سخت تردد و پریشانی کا تھا۔ اوّل تو بیوی کی آئے دن کی بدمزاجی سے بجائے ناک کے تھتنی میں دم رہنے لگا تھا۔ ایک ایک جھول میں اتنے بچے دیتی تھیں۔ کہ شکار مارتے مارتے ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں سے وصل ہو گئی تھیں۔ پھر مرے پر سو دُرّے۔ آدمی کا پلّا آ ؤر پال بیٹھیں۔ اُدھر شیر خاں اور طباقی کی طرف سے اندیشہ تھا۔ کہ معلوم نہیں برادری میں کیا جا لگائیں سرِ مجلس آبرو ریزی کے درپے ہو جائیں۔ غرض اس فکر میں دن سو سو کر اور رات شکار کے پیچھے دوڑ دوڑ کر دو تین پنچایتیں ٹالیں۔ اور جب بچے



ذرا ہوشیار ہو گئے۔ تو ایک دن شام کو چودھویں رات کا چاند نکلتے ہی مع اہل و عیال کے بھٹ سے نکلے، آگے آگے خود ہوئے۔ بیچ میں بچّوں کو لیا۔ بیوی پلّوں کو گھُرکتی گھُرکاتی۔ کہ کہیں کم بخت بھٹک نہ جائیں پیچھے پیچھے چلیں۔ اور بہ ہزار دشواری پنچایت والے پہاڑ پر صحیح سلامت پہنچیں، یہاں پہاڑ کی چٹیل چوٹی پر اُونچے اُونچے چٹانوں کے ٹکڑے بے قرینے پڑے تھے۔ جن کی اوٹ میں اگر خدانخواستہ بُرا وقت آئے۔ تو سینکڑوں بھیڑیئے فوراً چھُپ جائیں۔ ان پتھّروں میں جو سب سے اُونچا پتھّر تھا۔ وہاں قوم کا سردار ایک بڑا پُرانا گرگ باراں دیدہ جو جنگل کے صدہا طوفانوں کو جھیل کر دشت و کوہسار کے جملہ نشیب و فراز سے اپنے غول کی رہنمائی میں شہرۂ آفاق ہو چکا تھا۔ بڑے ٹھاٹھ سے ہاتھ پاؤں پھیلائے اگلے پنجوں پر تھتنی رکھے لیٹا تھا۔ قوم کے شائستہ لوگوں میں اس کا نام یکتائی مشہور تھا۔ مگر عرفِ عام میں اس کو چودھری کہا جاتا تھا۔ صحرائی زندگی میں آزمودہ کار ہونے کے علاوہ عالمِ شباب میں کہ عقل پُختہ نہ ہوئی تھی۔ کئی بار انسان کے دام میں گرفتار ہو چکا تھا، لیکن بخت کی یاوری اور عقل خداداد کی رسائی نے گردن ہمیشہ سلامت رکھی، ایک دفعہ گاؤں والوں کے اتنے لٹھ کھائے کہ بیابان مرگ کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اور جنّت کی نیل گائیں نظر آنے لگیں قاتلوں نے مُوا سمجھ کر نعش کو بے گور و کفن چیل کوّوں کے سُپرد کیا۔ اور بڑے بڑے گِدھ مرگھٹوں سے اُٹھ کر کریا کرم کے لئے حاضر ہو گئے۔ مگر سخت

Taj Tahir Foundation

جان تھا موت نہ آئی۔ جلد توانا و تندرست ہو گیا + غرض ایک مدّت کی سیاحی اور بادیہ پیمائی نے ساکنانِ صحرا کے حالات ہی سے آگاہ نہ کیا۔ بلکہ انسان کے خصائل و عادات کا تجربہ ہوتا رہا۔ کبھی گردن بچی۔ تو تھُتنی پر زخم آیا۔ اور کبھی ٹانگ سلامت نکل آئی۔ تو دُم کٹ کر رہ گئی + غرض قوم کی رہبری کے لئے اس سے زیادہ لائق اور تجربہ کار بھیڑیئے کا ملنا دُشوار تھا۔ اور اب ایک برس ہونے کو آیا تھا۔ کہ اس جلیل القدر منصب کی سخت ذمہ واریوں کو نہایت نیک نامی سے انجام دے چکا تھا ٭

چٹان کے نیچے جس پر سردار بیٹھا تھا۔ پہاڑ کی ہموار چوٹی پر غول کے جملہ خورد و بزرگ جمع تھے + خاکی رنگ کے جوان بھیڑیوں سے لے کر جن کو بزرگوں کی مجلس میں نچلا بیٹھنا دُشوار تھا۔ اور جو آدابِ محفل کے خلاف اکثر دُم سے نیچے جھاڑتے تھے۔ یا پنجوں سے کان کھُجانے لگتے تھے + بڑے بڑے مُسِن آزمودہ کار بھیڑیئے سیاہ رنگ گلیم پوشان خونی چشم جو یکّہ و تنہا اپنے سے چوگنے ڈیل کے بارہ سنگے کو چشم زدن میں خاک کا پیوند بنا دیں۔ حاضر تھے۔ اور ایک حلقے میں ادب سے دو زانو بیٹھے نہایت متانت کے ساتھ ہلکے تنفس میں ہانپ رہے تھے۔ حاضرین کی تعداد چالیس سے کم اور پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ حلقے کے اندر وہ خاندان جمع تھے۔ جو اپنی اولاد کو قوم کی شناخت اور معائنہ کے لئے لائے تھے۔ اور بیچوں بیچ بی قھرن بچّوں کو سامنے لئے میاں کے پہلو میں کسی قدر چیں بجبیں بیٹھی تھیں + ہر طرف سکوت کا عالم



تھا۔ بچّے البتہ کُشتیاں لڑتے لڑتے چوٹ کھا کر رونے لگتے تھے۔ تو ماں باپ فوراً دو چار گھُرکیاں دے کر ان کو خاموش کر دیتے تھے + چودھویں رات کا چاند آسمان سے جنگل اور پہاڑوں پر نور برسا رہا تھا۔ کبھی کبھی کوئی بوڑھا بڑا بھیڑیا ضعف بصارت سے معذور حلقے سے اُٹھتا۔ اور کسی بچّے کے پاس آ کر اُس کو خوب غور سے دیکھ بھال کر پھر اُلٹے پاؤں دبی چال اپنی جگہ جا بیٹھتا + کبھی کبھی کوئی ماں اس خیال سے کہ برادری والے کہیں میرے بچّے کو پہچاننا نہ بھُول جائیں۔ بچّہ کا کان پکڑ کر کہیں چاندنی میں بٹھا آتی تھی + کبھی کبھی چودھری چٹان پر سے دُم ہلا کر آواز لگاتا تھا۔ "بھیڑیو! دیکھ لو۔ بھال لو۔ پہچان لو۔ اپنی نسلوں کو نہ بھُولو۔" اتنا سُنتے ہی بچّے والیاں بھی یہی آواز لگاتی تھیں۔ اور سارا جنگل گُونج اُٹھتا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر میں پھر وہی پہلا سنّاٹا ہو جاتا تھا ٭

اور اب وہ وقت آیا کہ آدمی کا بچّہ بھری پنچایت کے سامنے پیش ہو۔ قھرن کی گردن پھُول کر کُپّا ہو گئی۔ اور چندیا کے بال کھڑے ہو کر سوئیوں کی طرح چمکنے لگے۔ بھیڑیئے نے اُٹھ کر زُلفی کی ٹانگ پکڑی۔ اور اس کو حلقے کے بیچوں بیچ لا کر بٹھا دیا۔ (ہم شاید یہ لکھنا بھُول گئے ہیں کہ بھیڑیئے کی بیوی نے اس بچّے کا نام زُلفی رکھا تھا۔ اور پیار سے میگھا بھی کہا کرتی تھیں۔ کیونکہ ان کو آدمی کے بچّے کی صورت مینڈک سے بہت مِلتی جُلتی معلوم ہوتی تھی) بچّہ پہلے تو کچھ بسورا۔ مگر پھر چاندنی

Taj Tahir Foundation

میں چمکتی کنکریوں کو دیکھ کر خوش ہو کر ان سے کھیلنے لگا ؀

چودھری نے پنجوں پر سے سر تک نہ اُٹھایا۔ اور اسی گھر گھراتی آواز سے پکارتا رہا ”بھیڑیو۔ بھیڑیو۔ دیکھ لو۔ بھال لو۔ دستور کو نہ بھولو“ اتنے میں چٹانوں کے پیچھے سے شیر خاں کی آواز اُنڈتی گھٹا کے بادل کی طرح گرجی۔ اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ بھیڑیوں نے سُنا۔ کہ ”اے بھیڑیوں کے سردار۔ یہ بچہ ہمارا شکار ہے۔ اور ہم کو ملنا چاہئے۔ بھیڑیوں کی آزاد قوم کو آدم زاد سے کیا واسطہ!“ چودھری نے اس فریاد پر اتنی توجہ بھی نہ کی جتنی مُنہ کی مکھی اُڑانے میں کان کو زحمت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح پنجوں پر مُنہ رکھے پکارتا رہا ”بھیڑیو۔ بھیڑیو۔ دیکھ لو۔ پہچان لو۔ ہم آزاد لوگوں کو سوائے اپنی قوم کے کسی کا حکم ماننے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ لو۔ اور پہچان لو۔ برادری کے بچوں کو نہ بھولو“

شیر خاں کی آواز سُنتے ہی سب برادر غرّانے لگے۔ اور ایک جوان بھیڑیا جو تین چار برس سے زیادہ کا نہ ہوگا۔ اُٹھا۔ اور سردار سے مخاطب ہو کر بولا ”بے شک ہم آزاد لوگوں کو انسان سے کیا غرض اور واسطہ ہے“

اب ذرا قصہ سمجھنے کے لئے جنگل کا ایک دستور اَور سُن لیجئے۔ بھالو جی اپنی پوتھی میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کبھی کوئی بھیڑیا کسی بچے کو جو بھیڑیئے کا بچہ نہ ہو۔ اپنی برادری میں شامل کرنا چاہے۔ تو جب تک برادری کے دو پنچ اَور جو اُس بچہ کے ماں باپ نہ ہوں۔ بچہ کو شامل کرنے کی رائے نہ دیں۔ اُس



وقت تک وہ بچہ غول میں ہرگز شامل نہ ہو سکتا تھا۔ چونکہ جملہ حاضرین کو اصول قانون میں غایت درجہ کی مہارت تھی۔ اس لئے صدر انجمن کی طرف سے سوال ہوا ”اس بچے کا جو حمایتی ہو۔ وہ کھڑا ہو۔ اور اپنی رائے ظاہر کرے“ جب کسی نے جواب نہ دیا۔ تو سوال پھر پڑھا۔ اس پر بھی جب کسی کی طرف سے کوئی صدا بلند نہ ہوئی۔ تو تھرن ہلکی سی جُھرجُھری لے جان کھونے کو مستعد ہو گئی۔ اور دل میں سوچ لیا۔ کہ آج کا مقابلہ بچے پالنے کی مُصیبت سے ہمیشہ کو آزاد کر دے گا۔ پھر نہ اپنا جی ہوگا نہ یہ عذاب ؀

اب سُنئے کہ بھیڑیوں کی پنچایت میں کسی غیر قوم کے جانور کو شریک ہونے یا گفتگو کرنے کا اختیار نہ تھا۔ مگر بھالو جی جھمورے جو ایک بڑے کاہل وجود بھوری رنگت کے ریچھ تھے۔ اور بھیڑیوں کے بچوں کو بن کی پوتھی پڑھایا کرتے تھے۔ اس قاعدہ سے مستثنٰی تھے۔ چونکہ صرف میوؤں اور شہد پر ان کا گزران تھا۔ اس لئے سب لوگ عزت کی نگاہ سے اُن کو دیکھتے تھے۔ اور ان کی نقل و حرکت پر کوئی بھیڑیا معترض نہ ہو سکتا تھا۔ غرض جب دو دفعہ سوال پڑھا گیا۔ اور کسی نے جواب نہ دیا۔ تو ایک چٹان کے پیچھے سے بھالو جی یہ کہتے ہوئے نکلے ”پنچو۔ پنچو۔ ہماری بھی سُن لو۔ ہم سیدھی اور سچی بات کے کہنے والے ہیں۔ جو کہیں وہ مان لو۔ اس آدمی کے بچہ کو غول میں شریک کرنے میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کے ہم ذمہ وار ہوتے ہیں۔ بس ہماری اتنی سفارش کافی ہے“ ؀

Taj Tahir Foundation

یہ سُن کر چودھری چٹان پر سے بولا۔ "بھائیو سُنتے ہو۔ بھالو ہمارے بچوں کا گُرو اور ہمارا بڑا ہے۔ سچّی بات جو تھی۔ وہ اس نے کہہ دی۔ اب ایک بھائی کوئی اَور اُٹھے۔ اور گُرو کی ہاں میں ہاں ملائے۔ تو اس بچہ کا جی بچ جائے"۔

اتنا کہنا تھا۔ کہ ایک کالی کالی چمکتی پرچھائیں حلقے کے بیچوں بیچ دکھائی دی۔ اور بھیڑیوں میں غُل پڑا۔ کہ بگیرا آن پہنچا۔ دُم کی نوک اور ناک کی پُھننگ تک بالکل سیاہ جیسے اندھیری رات۔ سیاہ مخمل کی پوستین پر دُھوپ چھاؤں کے گل بُوٹے کالی اطلس کی سی جھمک دکھاتے تھے۔ اس وقت جتنے بھیڑیئے موجود تھے۔ وہ بگیرے کو خوب جانتے تھے۔ کیونکہ یہ وہ بزرگ تھے۔ جن کو رستے میں ٹوکنا کسی بھیڑیئے کے لئے آسان کام نہ تھا۔ ذہانت و فطانت میں طباقی کے کان کاٹتے تھے۔ ہمّت و مردانگی میں جنگلی بجار کے چچا تھے۔ اور جب بگڑ بیٹھتے تھے۔ تو مست ہاتھی کی بھی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے مگر زبان کے بہت میٹھے تھے۔ آواز ایسی نازک اور شیریں تھی۔ جیسے درخت کے پتّوں پر شہد کی بوندیں ٹپکتی ہوں۔ اور جلد ایسی نرم تھی۔ جیسے ریشم کے لچھے۔

جلسے میں قدم رکھتے ہی غرآئے۔ کہ "اے قوم کے سردار اور سیونی کے آزاد بھیڑیو۔ گو مجھ کو اس مجمع میں گفتگو کرنے کا حق نہیں۔ لیکن چونکہ ایک بڑے اصول قانون کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس لئے محض یہ کہنا ہے۔ کہ کسی مسئلہ قانون پر جو متعلق خون ریزی کسی بچّہ شیر خوار کے ہو۔ اگر کوئی



قطعی رائے قائم نہ ہو سکے۔ تو ایک معقول معاوضہ قبول ہونے کے بعد اُس بچّہ کی جان کو سلامتی دی جا سکتی ہے۔ اور قانون نے کہیں تخصیص نہیں کی ہے۔ کہ اس معاوضہ کا پیش کرنے والا کون ہو۔ اب اہل جلسہ فرمائیں کہ جو کچھ عرض کیا۔ وہ واجب ہے یا غیرِ واجب"؟

بہت سے بھُوکے بھیڑیئے جن کے پیٹ میں ہمیشہ آگ لگی رہتی ہے بول اُٹھے "بے شک آپ کا فرمانا بالکل بجا و درست ہے۔ بھائیو سُن لو پیٹ کی آنچ بُری ہوتی ہے۔ اگر کچھ کھانے کو ملے۔ تو اس بچّے کی جان سلامت چھوڑ دو۔ جنگل کا یہ ہی دستور ہے"۔

بگیرا۔ "اچھّا تو یہاں تک آپ نے میری بات کو تسلیم کیا۔ اب مَیں اجازت چاہتا ہوں۔ کہ جو کچھ مجھے آگے کہنا ہے۔ وہ بھی گزارش کروں"؟

بھیڑیئے۔ "ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔ ضرور"۔

بگیرا۔ "پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ ایک دُودھ پیتے بھُوکے ننگے بچّہ کو ہلاک کرنا سخت بُزدلی اور کوتاہ اندیشی کی بات ہے۔ ممکن ہے۔ کہ یہ ہی بچّہ جوان ہو کر ایک زیادہ لذیذ اور فربہ شکار آپ صاحبوں کے حق میں ثابت ہو۔ دوسرا امر یہ ہے۔ کہ ابھی ابھی بھالو جی نے اس بچّے کی سفارش کی ہے۔ مَیں کسی لائق نہیں۔ مگر اس سفارش کی تائید میں ایک بہت فربہ اور خوب صورت بَیل جس کو ابھی شکار کر کے یہاں سے ہزار قدم پر یوں ہی چھوڑ آیا ہوں برادری کی ضیافت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اُس کو قبول فرمائیے۔ مگر شرط

Taj Tahir Foundation

یہ ہے۔ کہ اس آدمی کے بچّے کی جان ہی سلامت نہ رکھی جائے۔ بلکہ اس کو غول میں شریک ہونے کے بعد تمام ایسے حقوق وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے رہیں جو برادری کے ہر ایک آزاد بھیڑیئے کو حاصل ہؤا کرتے ہیں۔ آپ صاحبوں کو اس میں کیا عذر ہے"؟

بھُو کے بھیڑیئے سب کے سب بول اُٹھے" ہرگز کسی قسم کا عذر نہیں اس وقت کی ضیافت چھوڑنی حرام ہے۔ ہم کیوں اپنی گردن پر خون لیں جاڑے پالے میں آپ مرجائے گا۔ جھاوٹوں کے مہینے شروع ہوتے ہی کام تمام کردیں گے۔ جاڑے میں بچ گیا۔ تو جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں جل بھُن کر خاک ہوجائے گا+ ہاں ہاں ہم کو سب کچھ منظور ہے۔ وہ تازہ شکار فرمائیے کدھر ہے"؟ یہ غُل سُنتے ہی چودھری نے فقط ایک کان کھڑا کرلیا۔ اور چٹان پر سے آواز لگائی" بھیڑیو۔ بھیڑیو۔ دیکھ لو۔ سمجھ لو۔ بات کو نہ بھُولنا"+

زلفی جس جگہ بیٹھا تھا۔ وہیں بیٹھا کنکریوں سے کھیلتا رہا۔ اور کچھ خبر نہ ہوئی۔ کہ کس طرح ایک ایک بھیڑیا اس کے پاس آیا۔ اور اس کو خوب اچھی طرح پہچان کر چلا گیا۔ غرض جلسے کے جب اَوْر سب امور طے ہولئے تو پنچایت برخاست ہوئی۔ بھیڑیئے شکار کا پتہ پُوچھ کر ضیافت کھانے چل دیئے۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر اب فقط چودھری۔ بھالو۔ بگیرا۔ زلفی اور اس کے نئے اماں باوا رہ گئے۔ شیرخاں رات کے سنّاٹے میں پچھلے پہرے تک دہاڑتے رہے۔ بہت خفا تھے۔ کہ زلفی نے ڈاڑھ گرم نہ کی +



جب کبھی ہَوا کے جھونکے کے ساتھ دُور کی پہاڑیوں سے شیر کے دہاڑنے کی آواز آتی تھی۔ تو بگیرا بے اختیار یہ شعر پڑھتا تھا۔ ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اب تو غصّہ میں دہاڑتے ہو۔ میری جان۔ کوئی دن جاتا ہے۔ کہ موت کی تکلیف میں دہاڑو گے۔ یہ آدمی بدبلا۔ ہم سے نہ پوچھو"+

کچھ سکوت کے بعد چودھری بولے" آج کی پنچایت اچھی ہوگئی۔ بات زیادہ بڑھنے نہ پائی۔ سچ ہے۔ انسان اور انسان کی نسل نہایت عاقل و زیرک ہے۔ گو ہم کو اپنی قوّت اور درندگی پر بہت ناز ہے۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ یہی بچّہ جو اس وقت ایسا حقیر و ناتواں ہے۔ ایک دن ہمارا قوّت بازو بن جائے۔ اور ضرورت کے وقت ہر طرح کی مدد کرے"+ بگیرے نے کہا" بجا ہے۔ کچھ شبہ نہیں۔ کہ آیندہ اس بچّے سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ جو منصب حکومت اس وقت قوم کے سردار کو حاصل ہے۔ اس کو دوام نہیں"؛

چودھری یہ فقرہ سُن کر پی گیا۔ اور اس وقت ناگزیر کو سوچنے لگا۔ جو ہر ایک قوم کے سردار کو ایک نہ ایک دن پیش آتا ہے۔ یعنی وہ وقت جب کہ قوّت زائل ہوتے ہوتے شکار مارنے کی طاقت نہیں رہتی۔ اور سب بھیڑیئے مل کر سردار کو ہلاک کردیتے ہیں۔ تاکہ اُس کا

Taj Tahir Foundation

جانشین بنائیں۔ اور جب اس کا وقت آئے۔ تو اس کو بھی پھاڑ کھائیں۔
چودھری جب اس فکر سے کسی قدر ہوشیار ہُوا۔ تو بھیڑیئے اور اس کی
بیوی سے کہنے لگا " اچھا۔ اب خدا حافظ۔ جاؤ اور اس بچّے کو اچھی طرح
تعلیم و تربیت کر کے جنگل کا سُورما بناؤ "۔

غرض اس طرح ہمارا پیارا زلفی بھالوجی کی سفارش اور بگیرے کی
ضیافت سے سیونی کے بھیڑیوں کا بھائی برادر بن گیا۔

---

اب ہم کو دس بارہ برس آگے بڑھ جانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس زمانہ
کے حالات یہاں لکھیں گے۔ تو قصّہ طول پکڑ جائے گا۔ صرف اس قدر
لکھنا کافی ہے۔ کہ اس عرصے میں زلفی کی پرورش بھیڑیئے کے بچّوں
کے ساتھ ہوتی رہی۔ یہ بچّے تو جلدی جوان ہو کر بڑے شکاری بھیڑیئے
ہو گئے۔ لیکن ہمارا زلفی بچّہ یا یہ کہو کہ لڑکا ہی رہا۔ تعلیم و تربیت میں
ماں باپ کی طرف سے کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ ذہن کا ہمیشہ سے
تیز تھا۔ تمام صحرائی علوم و فنون جلد سیکھ لئے۔ اور تھوڑے ہی زمانہ میں
جنگل کے کاروبار میں بڑا مشّاق ہو گیا۔ یہاں تک کہ رات کے سنّاٹے
میں گرم ہوا کے جھونکے۔ پتّوں کا کھڑکا۔ گھاس کی آہٹ۔ سر پر اُلّو
کی آواز پانی میں مچھلیوں کی اُچھل کُود یا ڈالی پر گرتے ہی چمگادڑ کے اُلٹا
لٹک جانے کا مطلب وہ اسی طرح سمجھنے لگا۔ جیسے کوئی پڑھا لکھا آدمی اپنے



دفتر کا کام کرتا ہے۔ چُھٹّی کے وقت اکثر دُھوپ میں پڑے پڑے سو جاتا
تھا۔ بھوک پیاس ستاتی۔ تو کچھ کھا پی کر ایک نیند لے لیتا۔ جب گرمی سے
جی گھبراتا یا بدن پر مَیل کاٹنے لگتی۔ تو کسی پوکھر ندّی یا تالاب میں جا
کر خوب تیرتا۔ اور خوش ہوتا۔ شکار کھاتے کھاتے جی اُکتا جاتا۔ تو درختوں
پر چڑھ شہد کا چھتّہ توڑ لاتا۔ اور اس کو خوب مزے لے لے کر کھاتا۔
شہد کی چاٹ بھالوجی نے لگا دی تھی۔ ان کا مشہور مقولہ تھا کہ تازے
تازے میووں اور شہد کے مقابلہ میں گوشت کی کچھ حقیقت نہیں۔ پاپ
بھی ہو۔ دھرم بھی جائے۔ اور خاک مزا بھی نہ آئے۔ زلفی درخت پر
خوب چڑھتا تھا۔ کیونکہ اس فن میں مدّتوں بگیرے کی شاگردی کی تھی۔
بگیرا کسی اُونچے پیڑ کے موٹے سے موٹے ٹہنے پر خوب آرام سے جا بیٹھتا
تھا۔ اور پکارتا تھا۔ کہ " آؤ بھائی زلفی۔ تم بھی یہاں چلے آؤ۔ جگہ بہت
ہے "۔ پہلے پہل تو زلفی کو بڑا ڈر لگتا تھا۔ مگر پھر کوئی دن میں ایسی مشق ہو
گئی۔ کہ لمبی دُم کے کالے مُنہ والے لنگور بھی جو اس فن کے اُستاد مانے
جاتے ہیں۔ اس کے سامنے کان پکڑنے لگے۔ مہینے کے مہینے پنچایت میں
شریک ہوتا تھا۔ اور وہاں خالی بیٹھا بھیڑیوں سے آنکھیں لڑایا کرتا تھا
کسی کو تاب نہ تھی۔ کہ اس سے بازی لے جائے۔ بازی تو درکنار ایک
پل کسی کی آنکھ نہ ملتی تھی۔ مدّتوں زلفی کو یہ ہی کھیل رہا۔ یار دوست سب
اس کے محتاج رہتے تھے۔ کیونکہ جب کسی کے پنجے یا پوستین میں کانٹے

Taj Tahir Foundation

چُبھ جاتے۔ تو یہ ان کو نکال دیتا۔ یا اگر کسی یار کو چچڑیاں ستاتیں۔ تو یہ ایک ایک کر کے چُن لیتا۔ کبھی کبھی رات کو بھٹ سے نکل کر پہاڑ کے نیچے جوار باجرے کے کھیتوں میں نکل جاتا۔ اور گنواروں کے گھر دیکھ کر پہلے تو تعجّب کرتا۔ اور پھر بیزار ہو کر گھر چلا آتا + کچھ عرصے سے انسان کو وہ بہت بے وفا اور مکّار جانور سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ ایک دفعہ حضرت انسان کی ایک بڑی کاری گری اس کی نظر سے گزری تھی۔ قصّہ یہ ہُوا تھا۔ کہ جاڑے کے موسم میں ایک رات بگیرے کے ساتھ گشت کو نکلا۔ اتفاق سے ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں جو جانے لگا۔ تو گھاس میں چُوہے دان کی قطع کا ایک صندوق جس کا پٹ اوپر کو اُٹھا تھا۔ نظر پڑا + زُلفی تو اس کو خاک بھی نہ سمجھا۔ کہ کیا بلا ہے۔ لیکن بگیرے کو اس کی حقیقت معلوم تھی۔ لیاقت دکھانے کا شوق ایسا چرّایا۔ کہ جھٹ صندوق کے پاس جا اُس کی ترکیب سمجھانے لگا۔ وہ تو خدا نے خیر کر لی۔ ورنہ گردن پھنسنے میں کیا باقی رہا تھا + اُس دن سے زلفی کو انسان کے دغا باز ہونے کا پورا یقین ہو گیا تھا + بگیرے کو زلفی سے بڑا اُنس پیدا ہو گیا تھا۔ اور گرمی کے دنوں میں جب دُھوپ بہت ستاتی تھی۔ تو یہ دونوں دُور کسی جنگل میں چھاؤں اور ٹھنڈک کی کوئی جگہ نکال کر دن کاٹ دیا کرتے تھے + شام ہوتے ہی بگیرا شکار کھیلا کرتا تھا۔ اور زلفی تماشہ دیکھتا تھا۔ کہ بگیرا تھوڑی ہی دیر میں دائیں بائیں شکار مار کر جانوروں کا ڈھیر لگا دیتا ہے + زُلفی



بھی غضب کا شکاری ہُوا تھا۔ کوئی چیز نہ چھوڑتا تھا۔ گائے بیل مارنے کی البتہ اس کو قسم دلا دی گئی تھی۔ اور بگیرے نے سمجھا دیا تھا۔ کہ "میاں زلفی۔ سارا جنگل تمہارا ہے۔ جس جانور کو مار سکو شوق سے مار کر تناول فرماؤ۔ لیکن گائے بیل یا اُس کے بچھڑے بچھیا کو بھولے سے بھی نہ ستانا احسان فراموشی ہم لوگوں میں بھی بڑا عیب ہے۔ یہ ایک جوان خوبصورت بیل کی جان کا صدقہ ہے۔ کہ آج آپ کی صورت چلتی پھرتی نظر آتی ہے جو وہ اپنے خون سے تمہاری جان کا مول نہ دیتا۔ تو بھیڑیئے تو اب تک آپ کو کھا پی کر بھُول بھی گئے ہوتے" + زلفی نے ہمیشہ اس نصیحت پر عمل رکھا۔ اب سُنو۔ کہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا۔ زلفی خوب چست و چالاک توانا و مضبوط ہوتا گیا۔ اور سچ ہے جس لڑکے کو مدرسے یا پاٹ شالے میں بیٹھ کر سبق یاد نہ کرنا پڑے۔ اور سوائے شکار کے کسی بات کی دُھن نہ ہو۔ وہ کیوں جلدی ہاتھ پاؤں نکال کر کڑیل جوان نہ ہو جائے ؂

بچّے تو سب ہی پیارے تھے۔ لیکن زلفی پر بی قہرن جان فدا کرتی تھیں۔ اکثر سمجھایا کرتی تھیں۔ کہ بیٹا خدا کے لئے شیر خاں پر کبھی بھروسہ نہ کیجیو۔ یہ مُوذی بڑا دغا باز ہے + زلفی گو اپنے تئیں بھیڑیا سمجھتا تھا۔ لیکن پھر آدمی کا بچّہ تھا۔ ماں کی نصیحت کو بھُول بھُول جاتا تھا۔ شیر سے رستے میں کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی۔ زلفی نے چاہا بھی۔ کہ صاحب سلامت پیدا کرے۔ لیکن شیر نے ہی مُنہ نہ لگایا + اب کچھ عرصے سے شیر کی آمدورفت

Taj Tahir Foundation

اس طرف زیادہ رہنے لگی تھی۔ وجہ یہ تھی۔ کہ چودھری بھیڑیوں کا سردار بہت بوڑھا ہو چلا تھا۔ اور نئی پَود کے بھیڑیئے اب اس کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ شیر خاں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور جوان بھیڑیوں سے رسم پیدا کرنی شروع کی۔ کم سنی میں عقل تو کچّی ہوتی ہی ہے۔ اکثر نادان بھیڑیئے کل کی پیدائش بچّے کھچے شکار کے لالچ میں شیر خاں کے ساتھ رہنے لگے۔ چودھری کا ضعف اب اس حد کو پہنچا تھا۔ کہ وہ اپنے اختیارات کو پورے طور پر عمل میں نہ لا سکتا تھا۔ ورنہ اس کو یہ ذلّت کب گوارا ہو سکتی تھی۔ کہ ایک آزاد قوم کے نوجوان بے غیرت بن کر شیر خاں کی غلامی کو اعزاز کا تمغہ سمجھیں۔ شیر خاں کا وطیرہ اب یہ تھا۔ کہ جوان بھیڑیوں کو چاپلوسی کی باتوں سے گمراہ کرتا تھا۔ اور تاسّف کر کے ان سے کہتا تھا۔ "ارے بدنصیبو۔ یہ تمہاری جوانی۔ یہ پھُرتی۔ یہ صیادی اور پھر کیا خدا کی پھٹکار ہے۔ کہ ایک بُوڑھے مرن ہار بھیڑیئے۔ اور ایک دو ٹانگ کے پتلے یعنی آدم زاد کی غلامی کرتے ہو۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے۔ کہ اس آدمی کے لڑکے سے تم چار آنکھیں تک نہیں کر سکتے۔ آفرین ہے۔ اس کی آدمیّت پر اور حیف ہے تمہاری گرُگیت پر کہ ایسے کمزور جانور سے ایک پل آنکھ نہ ملا سکو"۔ بھیڑیئے یہ ملامت سُن کر سخت شرمندہ ہوتے تھے۔ اور غیرت کے مارے گردنیں پھُلا پھُلا کر غرّانے لگتے تھے۔

بگیرا جس کی فہم و فراست جنگل جنگل مشہور تھی۔ یہ سب خبریں سُنتا رہتا



تھا۔ زلفی کو سمجھاتا تھا۔ کہ "دیکھو صاحب زادے ہوشیار رہنا۔ ایک نہ ایک دن یہ شیر خاں تم کو چٹ کر جائیں گے"۔ زلفی سُن کر ہنستا تھا اور کہتا تھا۔ کہ "تمہارے اور برادری کے ہوتے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر بھالو جی میرے موٹے گرُو بھی تو ہیں۔ گو ان کو خورد و خواب سے کم مُہلت ملتی ہے۔ لیکن میری حمایت میں تو وہ بھی بھوں بھوں کر کے دو چار مُکّے ٹکا ہی دیں گے"۔

اب ایک دن کا ذکر سُنیئے۔ جب دن چڑھے گرمی زیادہ ہوئی۔ تو بگیرا اور زلفی باتیں کرتے ہوئے دُور ایک بن میں جا نکلے۔ درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر ایک سُتھری سی جگہ بیٹھ گئے۔ زلفی بگیرے کی نرم گردن پر سر رکھ کر لیٹ رہا۔ بگیرا بالکل چُپ تھا۔ اور اکثر آنکھیں بند کر کے دایاں پنجہ چاٹنے لگتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ بہت فکر مند ہے۔ زلفی کو چھاؤں ایسی بھلی لگی۔ کہ آنکھ جھپکنے لگی۔ بگیرے نے سوچتے سوچتے زلفی کو ہوشیار کیا اور کہا۔ "زلفی۔ زلفی۔ بار بار کہہ چکا ہوں کہ شیر تمہارے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ مگر تم کو مطلق خیال نہیں۔ دیکھو اگر تم اس بات کو نہ پہنچے۔ تو سخت پچھتاؤ گے"۔ زلفی نے آنکھیں کھول کر کہا۔ "بار بار کہنا کیسا۔ آپ نے تو یہ بات اتنی دفعہ کہی ہے۔ کہ سامنے کی جھاڑی پر اتنے بیر بھی نہ ہوں گے (زلفی کو گنتی کہاں آتی تھی۔ کہ ٹھیک ٹھیک بتاتا) پر اس وقت اس ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ میرا تو نیند کے مارے بُرا حال ہے۔ آپ کو شیر خاں کی پڑی ہے

Taj Tahir Foundation

وہ تو یُونہی بکا کرتا ہے۔ نام کو تو شیر ہے۔ پر سوائے مور کی طرح اترا اترا کر ناچنے اور جھنکارنے کے اُس کو آتا ہی کیا ہے؟"

بگیرا۔ ذرا اُٹھ کر بیٹھو۔ یہ بھی کوئی سونے کا وقت ہے۔ کچھ خبر بھی ہے۔ پہلے تو شیر دل ہی دل میں تمہارا دشمن تھا۔ لیکن اب اس کی عداوت کسی پر پوشیدہ نہیں۔ مجھے تو شروع ہی سے ایک ایک بات کا علم ہے۔ اب بھالو جی کو خبر لگ گئی ہے۔ بھیڑیوں کے بچے بچے کی زبان پر یہ ہی قصّہ ہے جنگل میں جگہ جگہ اسی کا چرچا ہے۔ چرند پرند کون نہیں جانتا۔ دُور کیوں جاؤ۔ وہ سامنے درختوں کی اوجھل جو ہرنوں کی بھولی بھولی ڈاریں چرتی ہیں۔ ان تک کو شیر کی عداوت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ خود طباقی نے کئی دفعہ صاف صاف تمہارے مُنّہ پر کہا۔ پر افسوس تمہارے کان پر جُوں نہ چلی"

زلفی"۔ واہ واہ۔ یہ تو آپ نے خوب یاد دلایا۔ طباقی کا حال تو مَیں نے آپ سے کہا ہی نہیں۔ ایک دن اُس بے غیرت نے مجھے ننگا دھڑنگا کہہ کر چھیڑا۔ مجھے بھی غصّہ آیا۔ اور دَوڑ دُم پکڑ لی۔ اور اُدھر اُٹھا کر اتنی چک پھیریاں دیں کہ یاد ہی کرتا ہوگا۔ جب چینخا چلّایا۔ تو دھائیں سانی ایک درخت سے دے مارا۔ دُور جا کر پڑا۔ اور دو چار لُڑکنیاں کھا سیدھا مُنّہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا اس زور سے بھاگا۔ کہ ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے"

زلفی اتنا کہہ پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔



بگیرا"۔ بڑی بے وقوفی کی حرکت تھی۔ طباقی بڑا حرفوں کا بنا ہے۔ اُس کو یار بنا لیتے۔ تو بہت سی باتیں معلوم ہوتی رہتیں۔ یہ بڑی نادانی تھی۔ کہ اس کو مار کر بھگا دیا + پھر سوئے جاتے ہو۔ ذرا سنبھل کر اپنے سہارے بیٹھو بات یہ ہے۔ کہ اس جنگل میں تو کسی کی مجال نہیں۔ کہ تم کو ہاتھ لگا سکے۔ لیکن مشکل یہ بنی ہے۔ کہ چودھری بُڈّھا ہو چلا ہے۔ اور اب کوئی دن جاتا ہے۔ کہ اس سے شکار نہ مارا جائے گا۔ جس دن یہ نوبت آئی۔ اسی دن برادری والے اس کی چودھرات چھین لیں گے۔ تم کو کیا خاک یاد ہوگا۔ دُودھ پیتی جان تھے۔ دس برس سے زیادہ کا زمانہ گذرتا ہے۔ کہ جس وقت تمہارے بھیڑیئے آماں باوا نے تمہیں پنچوں کے سامنے لا کر ڈالا۔ تو بہت سے بھیڑیوں کو تمہارا غول میں شریک ہونا ناگوار ہُوا۔ وہ بھیڑیے اب تک جیتے ہیں۔ جو اس وقت جوان تھے۔ اب بُڈّھے ہیں۔ اور جو بچّے تھے۔ وہ جوان ہو کر شیر کے چیلے بنے ہیں۔ اور تمہارے خون کے پیاسے اور گوشت کے بھُوکے ہیں"

زلفی"۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ مجھ میں وہ کون سا نقص ہے۔ کہ بھیڑیئے مجھ کو اپنی برادری سے نکال دیں۔ اسی جنگل میں پیدا ہُوا۔ یہیں پرورش پائی۔ ہمیشہ بھائیوں کی خدمت کی۔ جس بھائی کے پنجے یا پوستین میں کانٹے چبھے وہ نکالے۔ چچڑیاں چھڑائیں۔ سب طرح کا دُکھ درد کیا۔ پھر مجھ سے دُشمنی کرنے کا کیا سبب ہے؟ وہ میرے بھائی ہیں۔ مَیں

Taj Tahir Foundation

ان کا بھائی ہوں۔ دُشمنی بیچ میں کیونکر آن کُودی؟"

بگیرا اتنا سنتے ہی ٹھنڈی زمین پر ہاتھ پاؤں پھیلا چت لیٹ گیا۔ اور مُنہ اونچا کرکے سر پیچھے کو ڈال کر کہنے لگا "بھائی زلفی ذرا میرے جبڑے کے نیچے گردن میں ہاتھ ڈال کر دیکھو تو یہ کیا چیز ہے؟"

زلفی نے اپنا سوکھا سخت لکڑی سا ہاتھ بگیرے کی گردن میں ڈال کر ٹٹولنا شروع کیا۔ تو ٹھوڑی کے نیچے جہاں ریشم سے نرم بالوں میں گردن کے مضبوط رگ پٹھے پوشیدہ تھے۔ ایک جگہ معلوم ہُوا۔ کہ جلد پر سے بال اُڑ گئے ہیں۔ اور کھال موٹی پڑ گئی ہے۔ جب زلفی کا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے پہنچ لیا۔ تو بگیرے نے کہا "بھائی زلفی اس جنگل میں سوائے میرے کوئی نہیں جانتا۔ کہ بگیرے کی گردن میں کوئی نشان ہے۔ اور نشان بھی کس چیز کا۔ طوق کا۔ سُن پیارے زلفی۔ مَیں وہ ناشاد نامراد بگیرا ہوں۔ جو انسان کے گھر میں پیدا ہُوا جس کی ماں راجستان کے ایک محل میں مدّتوں قید میں رہ کر مَری۔ رانیوں اور راجکماریوں کی مصاحبت میں زندگی عیش آرام سے بسر ہوئی۔ مگر قید پھر قید تھی۔ لوہے کے پنجروں میں زندگی کا بڑا حِصّہ گذرا۔ سلاخوں میں سے ہمیشہ کھانا ملا۔ لوہے کے تسلے سے ہمیشہ پانی پیا۔ قید میں صحرا کے چشمے اور جنگل کی ہریاول کہاں۔ غرض اس حالت اسیری میں انسان سے طبیعت مانوس ہو گئی۔ اور یہی باعث تھا۔ کہ آج سے دس برس پہلے اور آج تک تیری جان بچانے میں کبھی کسی بات سے دریغ



نہیں کیا۔ لیکن خیر اس کا ذکر فضول ہے + اپنا قصّہ مختصر یہ ہے۔ کہ زندان ہی میں پیدا ہوئے۔ اور زندان ہی میں پروان چڑھے۔ جنگل کی صورت کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی۔ یہاں تک کہ ایک رات طبیعت بہت گھبرائی اور خود بخود خیال آیا۔ کہ اے بدنصیب ماں کے بدنصیب بچّے۔ تُو پھر بگیرا ہے۔ آدمی کا کھیل نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی کچھ ایسا جنون سوار ہُوا کہ ایک ہی پنجے میں قفل زندان کو توڑ ڈالا۔ اور جنم قید سے اپنے کو آزاد کیا۔ جس وقت جنگل میں پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے شیر سے بھی زیادہ میرا خوف کیا۔ کیونکہ مَیں نے آدمیوں میں رہ کر انسان کی عقل سیکھی تھی؟"

زلفی نیند کا ماتا تو ہو ہی رہا تھا۔ کہانی سُنتے سُنتے بالکل سو چلا۔ لیکن جب بگیرا چُپ ہُوا۔ تو آنکھیں بند کی بند مُسکرا کر کہنے لگا۔ "جنگل والوں نے آپ سے خوف کیا ہو گا۔ مَیں تو آپ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا؟"

بگیرا زلفی کی اس بھولی بات پر بے اختیار ہنس دیا۔ اور بولا "تیری بلا جانے ڈر کس کو کہتے ہیں۔ آخر کار انسان کا پُوت ہے۔ جانور تو نہیں ہے۔ خیر ذرا اُٹھ کر بیٹھو۔ اس ذکر کو اس لئے چھیڑا تھا۔ کہ مَیں جنگل کا جی تھا۔ آخر کار جنگل میں پہنچ گیا۔ تو انسان ہے۔ اور بھیڑیوں سے جان سلامت بچ گئی۔ تُو تو بھی ایک دن اپنے ہمجنسوں میں جا کر آباد ہو جائے گا؟"

زلفی "یہ سب کچھ سہی۔ پر بھیڑیوں سے کیوں میری جان سلامت نہ بچے گی؟"

بگیرا۔ ذرا اُٹھ کر میری طرف دیکھو تو بتاؤں ؎

زلفی نے اُٹھ کر بگیرے سے آنکھیں ملائیں۔ ایک لمحہ نہ گزرا تھا۔ کہ آنکھیں جھپک جاتی تو درکنار وہ شیر کا سا کلّہ اور بھاری بھر کم گردن تک دوسری طرف کو پھر گئی ؎

بگیرے نے نشست بدل کر زمین پر زور سے پنجہ مارا اور کہا "اب بھی سمجھے۔ کہ عداوت کا کیا سبب ہے۔ مَیں بگیرا ہوں آدمیوں میں پلا ہوں۔ تمہارے ساتھ غایت درجہ اُنس رکھتا ہوں۔ پھر یہ حال ہے۔ کہ ایک پَل تمہاری آنکھوں کے سامنے اپنی نظر نہیں ٹھہرا سکتا۔ بس یہ ہی تمہاری نظر کے سامنے کسی کی نظر کا نہ ٹھہرنا۔ دوسروں سے عقل میں تمہارا زیادہ ہونا۔ ہمدرد بن کر بھیڑیوں کے تلووں سے خار چُننے یہی عداوت کے اسباب ہیں۔ فقط تمہارا انسان ہونا ان کی عداوت کی دلیل ہے" ؎

زلفی کی تیوڑی پر بل پڑتے ہی کالی کالی جٹی بھوؤں کے نیچے دیدے سُرخ ہو گئے۔ اور آزردہ ہو کر بولا "بھائی میرے مجھے ان باتوں کی کیا خبر تھی۔ بھلائی کرو بُرائی ملے۔ یہ بات تو کچھ سمجھ میں نہیں آتی" ؎

بگیرا "ہاں پیارے زلفی جنگل کا یہ ہی دستور ہے۔ پہلے پنجہ۔ پھر زبان چھُوٹتے ہی طمانچہ رسید کرو۔ پھر بات سو بات۔ تمہاری اس بے پروائی کا تو رونا ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ آخر پھر ہو تو انسان ہو۔ پر اب اتنے بڑے ہو گئے۔ سمجھ سیکھو۔ اپنی بُرائی بھلائی دیکھو۔ اس دفعہ اگر چودھری سے



شکار چھُوٹ گیا۔ اور بارہ سنگا نہ مر سکا۔ تو بس سمجھ لو۔ کہ تمہارا قصّہ بھی تمام ہُوا۔ ساری برادری تم پر اور چودھری پر ٹوٹ پڑے گی۔ پھر جان بچنی ناممکن ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ اس دفعہ کا شکار چودھری کے بس کا نہیں ہے۔ اُس غریب کا حال تم جانتے ہی ہو۔ پہلے تو خیر کچلیاں ہی ہلتی تھیں۔ اب پنجوں میں ناخن بھی بیکار ہو چلے ہیں۔ شکار چھُوٹتے ہی دوسرے دن پنچایت بیٹھ جائے گی۔ اور سردار کو ہلاک کرتے ہی تم کو تکا بوٹی کر دیا جائے گا لیکن خیر تمہاری محبت نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ہم سے بھی جو بن پڑے گا کریں گے۔ اور ایک بات ہو جائے۔ تو واہ واہ کیا کہنا ہے" اتنا کہتے ہی بگیرا جوش میں آ زمین سے چار ہاتھ اُونچا اُچھل گیا۔ اور خوش ہو کر بولا۔ "پُوچھو وہ کیا بات ہے" زلفی نے حیران ہو کر کہا "آپ ہی فرمائیے میری سمجھ سے باہر ہے" ؎

بگیرا "بات کچھ نہیں ہے۔ ذرا سی تکلیف کرو۔ اُٹھو۔ اور پہاڑ کے نیچے آدمیوں کی بستی میں چلے جاؤ۔ اور گھروں میں چُپکے چُپکے جھانکتے پھرو۔ جہاں کہیں کسی جھونپڑی میں تم کو لال لال دہکتے ہوئے پھُول نظر آئیں۔ ان کو چُن کر کسی چیز میں لے آؤ۔ پھر بہار دیکھنا۔ کہ ان سُرخ گُل بوٹوں سے جو کام نکلے گا۔ وہ نہ بگیرے کی دوستی کام دے گی۔ نہ بھالو کی خیر خواہی بس ابھی چل دو۔ دیر نہ لگاؤ" ؎

لال لال پھُولوں سے بگیرے کی مُراد آگ تھی۔ جنگل کے سب جانور

Taj Tahir Foundation

اس چیز سے ایسے ڈرتے ہیں۔ کہ اس کا نام نہیں لیتے۔ اور اَور بہت سے نام ایجاد کر رکھے ہیں۔ جو آگ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ٭

زلفی:۔ لال پھول۔ اچھا وہ چیز جو کبھی جھونپڑیوں کے اندر کبھی باہر سُورج ڈوبتے ہی چمکا کرتی ہے۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی لو۔"

بگیرا:۔ کیوں نہ ہو۔ آخر آدمی ہے۔ تیرے برابر زود فہم کون ہو سکتا ہے پر زلفی جاتے تو ہو۔ اتنا خیال رکھنا۔ کہ ان پھُولوں کے آس پاس ہی کہیں کوئی مٹی کی ہنڈیاں پڑی ہوں گی۔ ایک ہنڈیا اُٹھا کر جلدی جلدی چُن کر اس میں ڈال دینا۔ نہیں تو وہ کاٹ لیں گے۔ یہ پھُول کانٹوں سے بھی زیادہ تیز ہوتے ہیں۔"

زلفی:۔ اچھا تو لیجئے مَیں چلا۔ پر میرے پیارے۔" اور اتنا کہہ زلفی نے بگیرے کی خوب صورت نرم گردن میں باہیں ڈال دیں۔" پیارے بگیرے اتنا بتا دو۔ کہ کیا یہ سب کرتوت شیر خاں کے ہیں؟"

بگیرے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور کہنے لگا" پیارے زلفی۔ قسم ہے۔ اس قفل زنداں کی جس نے اسیری سے آزاد کیا۔ کہ ساری یہ مصیبت شیر خاں تمہارے سر پہ لایا ہے۔"

زلفی:۔ تو بس مجھے بھی سوگند ہے۔ اس جان دار کی جس نے اپنے خون سے میری جان کا مول دیا ہے۔ کہ شیر خاں میرے ساتھ کچھ نہ کر سکا۔ جو مَیں اس کے حق میں کروں گا۔"



اتنا کہہ زلفی یہ جا وُہ جا ٭

زلفی جونہی درختوں کی اوجھل ہُوا۔ بگیرے نے بڑے درد سے کہا۔ "ارے انسان ارے انسان۔ تجھ کو خدا نے عجب مخلوق بنایا ہے۔ تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ افسوس تو اس کالی دھاریوں والے احمق کا ہے۔ او بد نصیب شیر شکار تو تُو نے بہت مارے پر آج سے دس برس پہلے یہ آدم زاد شکار ترے حق میں پیغام اجل ہو گیا۔"

زلفی دیر تک بن میں دوڑتا ندی نالے تیرتا پھاندتا شام ہوتے گھر پہنچا۔ بھٹ کے پاس کچھ دیر دم لے کر اندر دیکھا۔ تو کوئی نہ تھا۔ بھائی سب شکار کو نکل چکے تھے۔ اماں البتہ بھٹ کے پیچھے خاموش بیٹھی تھیں۔ زلفی کو ہانپتے دیکھ کر سمجھیں۔ کہ آج بچہ کچھ پریشان ہے۔ پوچھنے لگیں" بیٹا خیر ہے۔ آج ایسے سراسیمہ کیوں ہو"

زلفی:۔ جی کچھ نہیں۔ شیر خاں کی شتر گرگیوں نے جان غضب میں دے دی ہے۔ آج ذرا کھیتوں میں شکار کھیلنے جاتا ہوں" اتنا کہہ جھاڑیوں کو کودتا پھاندتا پہاڑ سے اُتر کر ندی کے کنارے آیا۔ چاہتا تھا۔ کہ قدم تیز کر کے کھیتوں میں اُترے۔ کہ ایک دفعہ ہی بہت سے بھیڑیوں کا شور سُنا۔ شور سُنتے ہی زلفی کے پاؤں ایک ایک من کے ہو گئے۔ گردن موڑی تو کیا دیکھتا ہے۔ ایک جوان مست بارہ سنگا کچھ دُور ندی کے کنارے ایک اُونچے ٹیلے پر ہر طرف سے گھرا کھڑا ہے۔ سارا بدن کانپ رہا ہے۔ اور

Taj Tahir Foundation

کان کھڑے کئے پھنکارے مارتا ہے۔ چاروں طرف گھبرا گھبرا کر نظر ڈالتا ہے۔ کہ کہیں رستہ ملے۔ تو چار چوکڑیوں میں دشمن کی زد سے کہیں کا کہیں نکل جائے۔ مگر ہر طرف بھیڑیوں کے غول ہوشیار کھڑے ہیں ؛

زلفی دل میں سوچنے لگا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کہ اتنے میں سب بھیڑیئے مل کر چلائے "چودھری کدھر ہے۔ چودھری کو لاؤ۔ شکار کو گھیر لیا ہے۔ آئے۔ اور اس بارہ سنگے کو مارے۔ نہیں تو ......."

اتنا کہنے نہ پائے تھے۔ کہ چودھری آیا۔ اور دو چار چکر کاٹ کر بارہ سنگے پر گرا۔ چودھری کو دیکھتے ہی زلفی اس قصّہ کو سمجھ گیا۔ اور اس زور سے بھاگا۔ کہ تھوڑی ہی دیر میں بھیڑیوں کا شور اس کے کانوں میں ہلکا ہوتے ہوتے بالکل جاتا رہا + زلفی اتنا ضرور سمجھ گیا۔ کہ چودھری کا وار خالی گیا۔ آخرکار بھاگتے بھاگتے کسانوں کے گھر تک پہنچ گیا۔ اور ایک جھونپڑی کے پیچھے پولیوں کے ڈھیر میں چھپ کر ہو بیٹھا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ کہ بگھیرا سچ کہتا تھا۔ کہ کل کا دن میرے اور چودھری کے حق میں قیامت سے کم نہ ہوگا ؛

جب ذرا دم قابو میں آیا۔ تو کھڑے ہو کر دیوار کے موکھے میں سے جھونپڑی کے اندر جھانکنے لگا۔ دیکھا ایک طرف الاؤ لگا ہے۔ کسان کی جورو گھڑی گھڑی اُٹھتی ہے۔ اور کوئی کالی کالی چیز اس میں ڈال دیتی ہے۔ زلفی رات بھر یہ ہی تماشہ دیکھتا رہا۔ جب صبح ہونے میں تھوڑی رات باقی رہی تو کسان کا لڑکا اُٹھا۔ اور ایک ہنڈیا میں آگ بھر کر دروازے کی طرف



چلا۔ زلفی بھی اسی دروازے کی طرف ایک چھلانگ میں آیا۔ لڑکے نے جونہی پٹ کھول کر نکلنا چاہا۔ زلفی نے بھپکی سنائی۔ اور ہنڈیا اُس کے ہاتھ سے چھین چلتا بنا + لڑکا پہلے تو ڈر کے مارے سہما کا سہما رہ گیا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو دُہائی مچانے لگا۔ زلفی اتنی دیر میں کہیں کا کہیں پہنچا تھا +

جب بستی سے دُور جنگل میں نکل آیا۔ تو جس طرح کسان کی بیوی کو آگ پھونکتے دیکھا تھا۔ خود بھی اسی طرح آگ پھونکنے لگا۔ اور دل میں کہتا جاتا تھا۔ کہ گاؤں کے جانوروں کی شکل و صورت مجھ سے بہت ملتی ہے۔ او ہوا رے رے رے۔ یہ پھول تو مر چلے۔ کہیں ان کو بھوک تو نہیں لگی کچھ کھلانا چاہیئے + یہ کہہ ہنڈیا زمین پر رکھ بہت سی سوکھی پتیاں ٹہنیاں چُن کر آگ میں ڈال دیں۔ اور ہنڈیا اُٹھا بھاگنا شروع کیا۔ پہاڑ پر آدھی دُور چڑھا تھا۔ کہ ایک طرف سے سُورج نکلا۔ اور بگھیرا سامنے کھڑا نظر آیا۔ اور ریشم کی سیاہ پوستین پر شبنم کی صاف شفاف بُوندیں ایسی جھلکتی تھیں۔ گویا بال بال موتی پروئے ہیں +

بگھیرا زلفی کو دیکھتے ہی بولا "رات کا قصہ سُن لیا۔ چودھری سے شکار نہ ہو سکا۔ غول والے تو کل رات ہی کو اس غریب کا فیصلہ کر دیتے۔ پر تمہارا ہونا بھی ضرور تھا۔ رات بھر بھیڑیوں نے تم کو ڈھونڈا ہے۔ سارا پہاڑ چھان مارا۔ پچھلے پہرے سے ذرا تھک کر بیٹھے ہیں "

زلفی۔ میں پہاڑ میں کیونکر ملتا۔ ڈھونڈنے کی ایسی کیا ضرورت تھی۔

Taj Tahir Foundation

اب آ جائیں۔ دیکھوں تو کیا کر لیتے ہیں"۔ اتنا کہہ زلفی نے آگ کی ہنڈیا بگیرے کے سامنے رکھ دی۔ اور کہنے لگا "اَور فرمائیے کیا حکم ہے"۔ بگیرا ہنڈیا کو دیکھتے ہی دو قدم ہٹ کر بولا "شاباش میاں زلفی۔ شاباش۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ٭

لیکن ذرا اتنی احتیاط رہے۔ کہ یہ پھول کملا نہ جائیں۔ انسان تو ان پھولوں میں درختوں کی سوکھی شاخیں ڈالا کرتے ہیں۔ اور ان کے پڑتے ہی شاخوں پر طرح طرح کے سرخ پھول اور پتّے نکل آتے ہیں۔ زلفی اتنے نہ جھکو۔ تم کو تو بالکل ڈر نہیں لگتا"۔

"اس میں ڈرنے کی کون سی چیز ہے۔ مجھے تو اب یاد آیا۔ بہت دنوں کا ذکر ہے۔ جب مَیں بھیڑیا نہ تھا۔ تو ایک دن ایسے ہی لال لال پھولوں کے پاس پڑا کھیلتا تھا۔ اور بڑی بہار کے پھول پتّے کِھل رہے تھے"۔

زلفی بگیرے سے رخصت ہو صبح سے شام تک آگ کی ہنڈیا کو بھٹ میں لئے بیٹھا رہا۔ کسی درخت کا ایک سوکھا سا جھاڑ توڑ کر بھٹ میں گھسیٹ لایا تھا۔ اور اسی کی چھال پتّیاں۔ ٹہنیاں توڑ توڑ کر آگ میں ڈالتا تھا۔ جب شعلے اونچے ہوتے تھے۔ تو خوب خوش ہو ہو کر کبھی قلابازیاں کھانے لگتا تھا۔ کبھی ناچتا تھا۔ کبھی کودتا تھا۔ غرض سارے بھٹ کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ جب اسی کھیل میں دن کٹ گیا۔ تو شام ہوتے ہی طباقی بڑے اینٹھتے ہوئے بھٹ کے دروازہ پر آئے۔ اور منہ اونچا کرکے پکارنے



لگے "ابے او آدمی کے پتلے ہوت۔ ابے او ننگے دھڑنگے لونڈے ہوت۔ سنتا ہے پنچوں میں تیری پکار پڑی ہے۔ بس اُٹھ اور سیدھا ہو چل۔ نہیں تو ناک پر کاٹ کھاؤں گا"۔ زلفی آگ سے کھیلنے میں خوش تو بیٹھا ہی تھا۔ گیدڑ کی آواز سنتے ہی اس زور سے قہقہہ لگایا۔ کہ گیدڑ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور دُم دبا کر اس زور سے بھاگا۔ کہ کسی کی نہ سُنی ٭ زلفی بہتیرا چلّایا۔ کہ اجی چوب دار صاحب۔ سنئے تو۔ ذرا دم تو لیجئے۔ مگر چوب دار صاحب کو اس عرصہ میں پہلی چک پھیریاں یاد آ گئی تھیں۔ دوران سر کی شکایت ابھی تک باقی تھی۔ پسلیوں کی دُکھن اور دم کی سوجن کو ابھی تک پورا آرام نہیں ہوا تھا۔ اس حال میں کس کی سنتے تھے ٭ غرض جب گھڑی بھر رات گئی۔ تو زلفی نے آگ کی ہنڈیا اُٹھائی۔ اور پنچ پربت پر پہنچا۔ اب تک ہنسی کے مارے یہ حال تھا۔ کہ رستے بھر قہقہے لگاتا پیٹ پکڑے پکڑے گیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر دیکھا۔ کہ آج چودھری چٹان پر نہیں ہے۔ بلکہ چٹان کے نیچے ایک طرف کو بہت دلگیر بیٹھا ہے۔ یہ گویا علامت تھی۔ کہ آج بھیڑیوں کی سرداری کا عہدہ خالی ہے۔ سامنے شیر خاں دس بیس جوان بھیڑیوں کے جلو میں جو جھوٹا شکار کھا کھا کر خوب چکنے چپڑے ہو گئے تھے۔ ٹہل رہے ہیں۔ خوشامد کا بازار گرم ہے۔ "بجا درست"۔ "جی حضور" اور "جو حکم" کی صدائیں بلند ہیں۔ زلفی چپکے سے آگ کی ہنڈیا لئے ایک طرف بگیرے کے پہلو میں ہو بیٹھا۔ جب پوری پنچایت جُڑ لی۔ تو شیر خاں ٹہلتے ٹہلتے ایک جگہ ٹھہرے۔ اور

Taj Tahir Foundation

ارادہ کیا۔ کہ پنچایت کے سامنے گفتگو کرے۔ تقدیر کی بات دیکھئے۔ کہ شیر اور سیونی کے آزاد بھیڑیوں کے سامنے بلا اجازت مُنہ سے بات نکالنے کی جُرأت۔ آج کو چودھری میں دم ہوتا۔ تو بھلا کسی کو اتنی ہمت ہو سکتی تھی؟

بگیرے نے شیر کی نیت دیکھتے ہی زلفی کے کان میں کہا "زلفی۔ زلفی دیکھو۔ شیر کو اس مجمع میں گفتگو کا حق حاصل نہیں ہے۔ ذرا کھڑے ہو کر اتنا کہہ دو۔ کہ شیر شیر کا بچہ نہیں ہے۔ بلکہ کتے کا جنا ہے۔ پھر دیکھو۔ اس کا کیا حال ہوتا ہے" زلفی فوراً کھڑا ہُوا۔ اور بولا "اے آزاد بھیڑیو۔ کیا اب شیر کو اپنا سردار بناؤ گے۔ اگر ایسا قصد ہے۔ تو حیف ہے تمہاری عقل پر"

شیر نے زلفی کی طرف توجہ نہ کی۔ اور بولا "بھیڑیو۔ چونکہ اس وقت تک غول کا کوئی سردار مقرر نہیں ہُوا ہے۔ اور مجھ سے اس جلسہ عام میں تقریر کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس لئے مَیں"...... زلفی بیچ میں بول اُٹھا "وہ کون ہے جس نے تجھ سے ایسی درخواست کی ہے۔ کیا ہم اب بھیڑیوں سے گیدڑ ہو گئے ہیں۔ کہ تجھ قصائی کی خوشامد کریں گے۔ غول کے سردار کو غول والے ہی انتخاب کریں گے۔ تو دخل درمعقولات دینے والا کون ہوتا ہے؟"

زلفی کی اس بات پر خوشامدی بھیڑیوں میں ہر طرف غُل پڑا۔ اور آوازیں آئیں "او آدمی کے بچے خاموش۔ او بے دُم کے جانور زبان بند کر۔ شیر خاں کو سب کچھ اختیار ہے۔ وہ جو چاہے سو کہے" یہ آوازیں سنتے ہی جتنے بھیڑیئے تھے سب چلانے لگے۔ اور ایسا طوفان بے تمیزی برپا ہُوا۔ کہ برادری کے بڑے



بُوڑھے مُنہ پھاڑ پھاڑ کر پچھلے پنجوں پر پورے قد سے کھڑے ہو گئے۔ اور چلانے لگے "خاموش خاموش" جب ذرا غل کم ہُوا۔ تو ایک نہایت مُسن واجب التعظیم بھیڑیا کسی قدر تکلف سے اُٹھا۔ اور بولا "بھائیو بھائیو۔ کُتوں کی طرح لڑنے سے کیا حاصل۔ مرے بھیڑیئے کی بات پہلے سُن لو" مرے بھیڑیئے سے مُراد چودھری تھا۔ کیونکہ بھیڑیوں میں جب تک کوئی سردار معزول ہو کر ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔ اس کو مرا بھیڑیا کہتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ مرے سے بدتر ہوتا ہے۔ دو چار دن سے زیادہ اس کو کوئی نہیں جینے دیتا +

اب چودھری نے اپنا بُوڑھا سفید سر خاک مذلت سے اُٹھایا۔ اور بہ آواز حزیں کہنا شروع کیا "اے دشتِ سیونی کے آزاد بھیڑیو! میرا خطاب صرف تم ہی سے ہوتا۔ لیکن مجبور ہوں کہ ان بے غیرتوں کو بھی اس میں شامل کروں۔ جو ننگ قوم ہو کر شیر کے غلام اور چیلے بنے ہیں۔ حقیقت میں وہ اب بھیڑیئے نہیں رہے۔ بلکہ گیدڑوں سے بھی زیادہ ناپاک اور ذلیل ہیں۔ آج کچھ اُوپر بارہ برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ کہ اس غول کی سرداری میرے ذمہ رہی۔ جہاں تک میرے امکان میں تھا۔ اس مدت دراز میں آپ صاحبوں میں سے کسی کو کسی طرح کی تکلیف یا گزند نہ پہنچنے دی۔ نہ کوئی جال میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔ نہ کوئی چٹخنی میں پھنس کر زخمی یا زندہ قید ہُوا۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوتا۔ کہ جس وقت بارش کی قلت سے شکار کی کشش ہوئی۔ تو بہتیرے بہتر مشورہ لے کر اور سہل سے سہل موقعے شکار کے تلاش کر کے کف دشت صحرا

Taj Tahir Foundation

اور دشوار گزار وادیوں میں اسی غول کی قافلہ سالاری میں اپنی جان کو جان نہ سمجھا۔ اور کسی بھائی کو بھوک کی تکلیف سے مرنے نہ دیا۔ اب البتہ بڑھاپے نے معذور کر دیا۔ اور تمام عمر میں کل رات کو یہ پہلا موقع تھا۔ کہ شکار پر چلا۔ اور وار خالی گیا۔ آپ سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔ کہ میری ضعیفی ہی اس ذِلّت کا باعث نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ بھائیوں نے رُسوا کرنے کے لئے سازش کی۔ اور ایک ایسے ناکندہ جانور کو گھیر لائے۔ جو اس وقت تک کسی درندے کے حملہ سے آشنا نہ تھا۔ خیر جو کچھ ہُوا اچھا ہُوا۔ اور ایک دن یہ ہی ہونا بھی تھا۔ اب بھائیوں کو اختیار ہے۔ کہ اسی پنچایت کے سامنے مجھے ہلاک کر دیں۔ ایک ایک بھائی اُٹھے اور مجھ سے لڑے۔ یا وہ مجھے مار ڈالے۔ یا خود اپنی جان موت کے حوالے کرے۔ جو قاعدہ ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیئے"

یہ متین و سنجیدہ تقریر سُن کر تو سب خاموش رہ گئے۔ معزول چودھری سے تنہا کُشتی لڑ کر اس کو جان سے مارنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ جب کوئی بھیڑیا نہ اُٹھا۔ تو شیر خاں ایک دفعہ ہی مُنہ اُونچا کر کے دہاڑے "بھائیو اس بُوڑھے پوپلے ناخن ٹوٹے احمق کا کیا ہے۔ آج نہ مرا کل مارا جائے گا۔ اصل فساد کی جڑھ تو یہ آدمی کا پِلّا گول سر کا جانور ہے۔ اب یہ بہت جی لیا۔ کچھ آج سے نہیں دس برس سے ہم اس کے فراق میں دانت تیز کر رہے ہیں"

"اے آزاد بھیڑیو۔ اب اس آدم پرستی سے باز آؤ۔ برسوں سے اس منحوس نے جنگل کو ستا رکھا ہے۔ اب کچھ تامل نہ کرو۔ اور اس کو ہمارے حوالے کرو



ورنہ سمجھ لو۔ کہ ان ہی پہاڑیوں میں بود و باش اختیار کر کے رات دن طرح طرح کے شکار نہایت لذیذ اور فربہ تمہارے سامنے مار مار کر کھاؤں گا۔ اور حصّہ بخرہ تو در کنار اُلٹے پنجے سے چچوڑی ہڈی تک تمہاری طرف نہ پھینکوں گا۔ یہ انسان ہے۔ اور انسان وہ حیوان ہے۔ جس سے جنگل کے رہنے والوں کو بُغض لِلّٰہ رکھنا واجب بلکہ فرض ہے"

یہ سُن کر بہت سے پنچ بول اُٹھے "سچ تو ہے۔ اس بلا کو دُور بھی کرو۔ جہاں کا ہے وہیں جانے دو"

شیر خاں "واہ جہاں کا ہے۔ وہیں جانے دو کی بھی خوب کہی۔ چوروں کو گھر دکھا کر دھن لُٹوا دو۔ گنواروں کو دُشمن بنا کر جنگل میں آئے دن قیامت برپا رکھو۔ تدبیر بھی نکالی۔ تو کیا خوب نکالی + ارے نادانو۔ سوائے اس کے کوئی تدبیر نہیں ہے۔ کہ اس کو میرے سپرد کر دو۔ ہزاروں دفعہ کہہ چکا ہوں۔ کہ انسان بُری بلا ہے۔ جس سے تم ایک پَل آنکھ نہ ملا سکو۔ اس کو اب بھی اپنا دوست سمجھے جاؤ۔ تو بس رونا چاہیئے تمہاری اس دانائی پر"

چودھری نے پھر ہمت کر کے سر اُٹھایا۔ اور بولا "بھیڑیو۔ بھیڑیو یاد رہے یہ وہ لڑکا ہے۔ جس نے ہماری قوم کے ایک نہایت معزز خاندان میں پرورش پائی ہے۔ وہ ہمیشہ ہمارے دُکھ درد میں شریک رہا ہے۔ اس کی خدمتوں کو یاد رکھو۔ وہ زمانہ ابھی سے نہ بھُولو۔ کہ چاروں طرف قحط کی پُکار تھی۔ خدا کی خدائی بھُوکی مرتی تھی۔ اس وقت یہ ہی غریب انسان تھا۔

Taj Tahir Foundation

جو دُور دُور سے ہمارے لئے شکار گھیر گھیر کر لاتا تھا۔ اتنے احسان فراموش نہ بنو۔ ذرا اپنی اصل پر جاؤ۔ اور اس کا بھی خیال رکھو۔ کہ بُدھ اور جوگ میں یہ لڑکا جنگل کے بڑے بڑے رشیوں سے بڑھ کر نکلا ہے۔ آج تک جنگل کے کسی قانون یا آئین کے خلاف اس سے کوئی بات عمل میں نہیں آئی"

چودھری کی تقریر ختم ہوتے ہی بگیرا اُٹھا۔ اور نہایت متین اور شریفانہ لہجے میں یہ دو چار میٹھے لفظ کہے جن میں کسی قدر ترشی بھی تھی "اس کے علاوہ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ اس لڑکے کی جان بچانے کے لئے میں نے کُل برادری کو کھانا دیا تھا۔ گو ایک جوان موٹا بیل ایسا انمول شکار نہیں ہے۔ کہ اس کو یاد دلایا جائے۔ لیکن ہمارا پاس عزت گوشہ خاطر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ آپ کو علم ہوگا۔ کہ بگیروں کی قوم میں بھیڑیوں کا خون بہانا کوئی نئی بات نہیں ہے"

بھیڑیوں کی ایک پوری صف کی صف بول اُٹھی "واہ حضرت واہ خوب دس برس کی بات یاد دلائی۔ ایسے باسی گوشت کو یہاں کوئی نہیں پُوچھتا۔ کہیں رات کو وہی موٹا بیل بھوت بن کر آپ کی گردن پر تو نہیں سوار ہُوا تھا؟"

بگیرا۔ "یہ مجمع محلِ انصاف ہے۔ محلِ ظرافت نہیں۔ اگر آپ کو اپنے قول و اقرار کا پاس نہیں تو لعنت ہے آپ کی آزادی پر اور لعنت ہے آپ کے اس انصاف پر"

شیر خاں "بس بس۔ اس بدکلامی سے کیا حاصل۔ بگیرے کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی آدم زاد ہم صحرائیوں کا ہم وطن و ہم قوم تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس لڑکے کا خون روا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمارا پُرانا شکار ہے۔ اس



لئے اس کو مار کر کھانے کا حق سوائے ہمارے کسی کو حاصل نہیں ہے"

چودھری نے ایک دفعہ پھر تکلیف کی اور کہا۔ بھائیو "یاد رہے کہ یہ انسان ہمارا بھائی ہے۔ گو اس کا ہمارا خون ایک نہیں لیکن پھر بھی یہ لڑکا ہم کو اپنے ماں جائے سے بڑھ کر پیارا ہے۔ بس کیوں ایک بھائی کے خون کے درپے ہوتے ہو؟ سُن لو۔ مَیں اتنے دن جیا ہوں۔ کہ اب زیادہ جینے کی تمنا نہیں۔ اس آخری وقت میں جو کچھ قسمت کا لکھا تھا۔ وہ سب پُورا ہُوا۔ جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا۔ اور جو نہ سُنا تھا وہ سُنا۔ افسوس وہ کون سا عیب ہے۔ جسے تم نے کل کے لئے چھوڑا ہو۔ جھوٹا شکار کھانا اب تمہارا شیوہ ہے۔ اور اس سے بھی بدتر یہ ہے۔ کہ شیر خاں کے بہکانے میں آکر روز شام کو گاؤں گاؤں گشت کرتے ہو۔ اور گھروں میں سے چھوٹے چھوٹے بچّے نرم چارے کے لالچ میں اُٹھا لاتے ہو۔ اور مانس کا جی لے کر اپنا دھرم کھوتے ہو۔ سچ ہے یا تم سب مر جاتے۔ کہ یہ جنگل پاک ہو جاتا یا مَیں غارت ہو جاتا۔ کہ یہ دن نہ دیکھتا لیکن تقدیر میں کس کو چارہ ہے۔ تمہاری ان حرکتوں کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ مَیں تم کو نہایت بزدل سفلہ و کمینہ جانتا ہوں۔ اور اب تم ہی کمینوں سے میرا خطاب ہے۔ سُن لو۔ میرا مرنا یا مارنا یا مارا جانا اب یقینی ہے۔ زندگی چند روزہ ہے۔ اور جتنی ہے۔ وہ بے لطف۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مَیں خلاف دستور تم سے لڑ کر اس بچّے پر سے اپنی جان فدا کر دیتا۔ لیکن محض قوم کی عزت و ناموس کا خیال ہے۔ اس لئے مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر اس آدم زاد کے خون سے تم حذر کرو۔ تو مَیں اپنی جان سے موجود

Taj Tahir Foundation

ہوں۔جس بھائی کا جی چاہے آئے اور مجھ کو فوراً ہلاک کر دے۔ ہرگز مقابلہ نہ کروں گا۔ اس میں کم سے کم تین بھائیوں کی جان بچ جائے گی۔اس سے زیادہ مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر تم نے میری بات مان لی۔ تو ایک بے گناہ کے خون ناحق سے بچ جاؤ گے۔ اور یہ وہ بھائی ہے۔جس کو اپنی زبان سے بھائی کہہ چکے ہو۔اور جس کی جان کی قیمت قانون کے مطابق ہر شخص وصول کر چکا ہے"

بھیڑیئے اس تقریر کو خاک بھی نہ سمجھے۔ اور بولے "کچھ بھی ہو۔ہم اب ایک پل اس آدمی کو اپنے غول میں رکھنے کے روادار نہیں" اتنا کہہ بہت سے باغی بھیڑیئے شیر کے آس پاس اکٹھے ہونے لگے۔شیر خاں کو دیدے لال کرتے کیا دیر لگتی تھی۔جھٹ آنکھیں بدل زور زور سے دُم پھرانے لگے۔کبھی چکر دے کر اس پاؤں پر دے مارتے تھے۔کبھی اُس پاؤں پر۔کبھی آسمان کی طرف اُٹھا کر دُم کو آنکڑا بنا لیتے۔ اور پُونچ کا پُھندنا پیشانی کا طرّہ بن جاتا ۔

بگیرے نے جب یہ نوبت دیکھی۔ تو زلفی کے کان میں کہا :۔

"زلفی اب بات تمہارے ہاتھ ہے۔ہم سے اب سوائے اس کے کچھ بن نہ پڑے گا۔ کہ لڑ کر اپنی جان کھو دیں۔ اور تمہاری جان بھی مفت میں جائے"

یہ سُنتے ہی زلفی دُہکتی آگ کی ہنڈیا لے کر اُٹھا۔ اور ایک انگڑائی لے کر تمام برادری کے سامنے جمائی لی۔ گو یہ علامت اس بات کی تھی۔ کہ ہم کو کسی کی کچھ پروا نہیں ہے۔ لیکن دراصل زلفی اس وقت غصّے سے بے تاب تھا۔کیونکہ آج سے پہلے کبھی کسی بھیڑیئے نے اپنی دُشمنی کا حال اس کے مُنہ پر صاف صاف



نہ کہا تھا۔ دو چار اَور انگڑائیاں جمائیاں لینے کے بعد زلفی نے آواز تیز کی اور کہا "بھیڑیو۔ کُتّوں کی طرح لڑنے اور غصّہ سے پھُول پھُول کر گدھوں کے برابر ہو جانے سے کچھ حاصل نہیں۔ آپ صاحبوں نے اس وقت بار بار جتلایا ہے۔ کہ مَیں آدمی ہوں۔ اپنی طرف سے تو مَیں تم بھائیوں کے ساتھ مرتے دم تک بھیڑیا ہی رہتا۔ مگر تمہارے کہنے سے اب ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ ہاں ہم انسان ہیں۔ اور انسان بھی بُری طرح کے۔ آج سے کبھی تم کو بھُول کر بھی بھائی نہ کہیں گے بلکہ "سگ زرد برادر شغال" کہا کریں گے۔ تم کو جس قدر بھونکنا تھا۔ بھونک چکے۔ اب ہم کو جو کچھ کہنا ہے۔ وہ بھی سُن لو۔ اور ذرا ادھر دیکھو۔ وہی انسان جس پر آج آپ دانتوں کو تیز اور پنجوں کو صیقل کرتے ہیں۔ آپ کے لئے یہ کیا سوغات لایا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ کیسے سُرخ سُرخ انگارہ سے پھُول ہیں۔ یہ آج آپ پر نچھاور کئے جائیں گے"

اتنا کہہ زلفی نے آگ کی ہنڈیا زور سے پھرا کر بھیڑیوں کے بیچوں بیچ پھینک دی ۔ ہنڈیا ٹوٹتے ہی انگارے پھیلے۔ اور اُونچی گھاس میں جو بالکل سُوکھی کھڑی تھی۔ آگ لگ گئی۔ اور شعلے اُٹھنے لگے۔ شعلوں کے بلند ہوتے ہی بھیڑیوں کے حواس یک لخت معطل ہو گئے۔ اور ڈر کے مارے دُمیں سمیٹ سمیٹ کر پیچھے ہٹ بیٹھے ۔

زلفی ہنڈیا کے ساتھ ہی ایک سوکھے درخت کی لمبی سی شاخ مع ٹہنیوں اور پتّوں کے توڑ لایا تھا۔ جلتی گھاس میں اس جھاڑ کو سُلگا اُونچے ہاتھ سے سر پر پھراتا ہُوا بھیڑیوں کی طرف بڑھا ۔

TajTahir Foundation

بگیرا یہ دیکھتے ہی خوشی کے مارے ناچنے لگا۔ اور چلا چلا کر کہتا تھا "واہ بہادر واہ۔ تجھے کون سکھائے۔ دیکھو۔ دیکھو چودھری کی جان بچا لینا۔ وہ تمہارا ہمیشہ خیر خواہ رہا ہے"۔

بوڑھا چودھری جو آج تک اپنی جان بچانے کے لئے بھی کسی کے سامنے نہ گڑگڑایا تھا۔ کسی چیز سے خوف کرنا تو کس کو کہتے ہیں۔ شعلوں کو دیکھ کر ایسا بدحواس ہوا۔ کہ چیخیں مار مار کر رونے لگا + زلفی اس وقت عجیب شان میں تھا۔ سیاہ بھونرا سے بالوں کی لمبی لمبی لٹیں شانوں پر چھٹی تھیں۔ جلتے جھاڑ کو جس سے غضب کے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ سر پر پھراتا ہوا چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا۔ اور سُرخ روشنی میں بھیڑیوں کی کالی کالی پرچھائیاں پہاڑوں اور چٹانوں پر اُچھلتی کودتی پھرتی تھیں۔ سچ پوچھئے تو اس وقت کسی بھیڑیئے کے بدن میں خون باقی نہ تھا۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے۔ کہ بہت سوں کی نبضیں بند ہو چلی تھیں + زلفی اب ذرا ٹھہرا۔ اور چاروں طرف نظر ڈال کر بولا۔

"پنچو۔ اب دیکھ لیا۔ کہ بس نام کو بھیڑیئے ہو۔ اصل میں بازاری کُتّوں سے بھی بدتر ہو۔ لو بس۔ اب ہم اپنے ہمجنسوں میں جاتے ہیں۔ اگر اُنہوں نے ہم کو غیر نہ سمجھا۔ تو آج سے جنگل کا نام نہ لیں گے۔ اور یہ صحبتیں دل سے بُھلا دیں گے لیکن تمہاری طرح کسی دوست کو دغا نہ دیں گے۔ گو ہمارا تمہارا خون ایک نہ تھا۔ لیکن ہم تم کو بھائی کہہ چکے ہیں۔ اس لئے اب بھی بھائی سمجھ کر تمہارے ساتھ کبھی دغا نہ کریں گے۔ گو تم اس لائق نہیں"۔



اتنا کہہ زلفی نے جلتی گھاس اور لکڑیوں میں دو چار ٹھوکریں ماریں چنگاریاں چاروں طرف اُڑنے لگیں۔ اور زلفی نے للکار کر کہا "بھیڑیوں میں ہمیشہ کو نااتفاقی پیدا کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ لیکن اس فساد کا جو اصل بانی ہے اس کو بغیر سزا دیئے ہرگز نہ چھوڑیں گے"+ یہ کہہ کر زلفی شیر خاں کی طرف بڑھا جو پنجے اور دُم سمیٹے گاؤتکیئے کی صورت زمین پر پڑے تھے۔ اُلّو کی طرح آنکھیں جھپکا جھپکا کر شعلوں کو دیکھتے تھے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا ہو گیا + زلفی کے بڑھتے ہی بگیرا بھی کمک کو اُٹھا۔ زلفی نے شیر کے قریب پہنچ کر اس کی ٹھوڑی کے بال پکڑ کر کہا "بدتمیز۔ کھڑے ہو کر تعظیم دینی نہیں آتی بہت آدمی آدمی جپ رہا ہے۔ اب آپ کے یہ چچا جان موجود ہیں۔ ان کو نہیں پہچانتے۔ بے ادب کھڑا ہو۔ اور جھک کر آداب بجا لا۔ نہیں تو سمجھ لیجئے۔ یہ آپ کی کاشانی مخمل کی نارنجی عبا اور یہ آپ کا دھاریوں والا پوستین جس پر آپ کو بڑا ناز ہے۔ ابھی جلا کر خاک کر دیا جائے گا"۔

شیر خاں کے دَم پر اس وقت جو کچھ آبنی تھی۔ اس کا حال نہ پوچھو۔ پنجوں اور دُم کا پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ کدھر ہیں۔ چہرے پر مُردنی چھائی تھی۔ دونوں کان کنپٹیوں پر اس طرح پڑے تھے۔ گویا جان باقی نہیں۔ دیدے پہلے تو کچھ ٹمٹماتے بھی تھے۔ مگر اب نور بصارت گنگا پار چلا گیا تھا۔ کیونکہ شاخ لالہ رنگ چہرہ زعفرانی کے قریب روشن تھی۔ گویا بیچا کو چراغ دکھایا جاتا تھا +

زُلفی نے شیر کا کان پکڑ بھیڑیوں سے خطاب کیا "بھیڑیو یہ وہی گائے

Taj Tahir Foundation

بھینسوں کا بَیری۔ آدمیوں کا جلّاد۔ کم زوروں کا دُشمن ہے۔ جس نے ہم کو مار کر کھانا چاہا تھا۔ اُس کو بڑا قلق تھا۔ کہ ہم نے اُس کی ڈاڑھ گرم نہ کی۔ اب دیکھ لو۔ جب انسان کے جون میں آتا ہے۔ تو کس طرح شیر تک کو ذلیل خوار کر سکتا ہے۔ خبردار لنگڑے! کان ہلانا تو کیسا۔ اگر مُونچھ تک پھڑکی تو یہ جلتا چیلا تیرے حلق میں ڈال دُوں گا۔" اتنا کہتے ہی زلفی نے دو چار جلتی لکڑیاں دھائیں کر کے شیر خان کی چندیا پر ٹکائیں۔ چندیا کے بال چُرمُر ہو کر رہ گئے۔ پر یہ میرے شیر دم سادھے آنکھیں نیچی کئے اسی طرح پڑے چراند سونگھا کئے۔ اور مُنہ سے اُف تک نہ نکالی ؎

زلفی "جا دُور ہو مُوذی۔ لنگڑا تو تھا ہی۔ اب گنجا بھی ہو گیا۔ شیر کا ہے کو خاصہ اودت بلاؤ معلوم ہوتا ہے۔ اور ابھی کیا ہے۔ جب ہم اس پہاڑ پر دوبارہ آئیں گے۔ تو تیری کھال کی گٹھری ہمارے سر پر رکھی ہو گی۔ اور بھیڑیو تم بھی سمجھ لو۔ یہ بُڈھا چودھری آج سے آزاد ہے۔ جہاں چاہے رہے۔ اگر کسی نے اس کو ٹیڑھی نظر سے بھی دیکھا۔ تو جہاں پاؤں گا۔ زندہ زمین میں دفن کر دُوں گا۔ سُن لیا بے غیرتو۔ بدتمیزو۔ اب کیوں یہاں بیٹھے گز گز بھر کی زبانیں نکالے ہانپ رہے ہو۔ جاؤ۔ دُور ہو اپنی صورت نہ دکھاؤ۔ ابھی سُنا نہیں؟" یہ کہہ زلفی نے جلتا جھاڑ سر سے اُونچا کیا۔ اور اس زور سے بنیٹھی پھراتا ہُوا دشمنوں کی طرف چلا کہ بھیڑیوں میں سب طرف بھاگڑ پڑ گئی۔ جہاں جس کے سینگ سمائے اُدھر کو بھاگا۔ یہ اس پر اور وہ اس پر کوئی یہاں گرا تو کوئی



وہاں کوئی چٹان پر سے کُودا۔ تو کوئی گھاٹی میں لُڑھک گیا۔ یہ ایک پنجہ اُٹھائے تین ٹانگ سے بھاگا۔ تو وہ دونوں پنجے اُٹھائے سر کے بل قلا کرتا نوک دم ہُوا۔ ایک دوڑتے دوڑتے دانتوں میں دُم پکڑ چکّر کھانے لگا۔ تو دوسرا ٹوٹی کمر سے پچھلا دھڑ گھسیٹتا گھاس میں تلپٹ ہو گیا۔ کسی کا کان جلا۔ تو کسی کی دُم سُلگ اُٹھی۔ کسی کی پیٹھ جُھلسی۔ تو کسی کی تھتنی پر آبلے پڑے۔ غرض چاروں طرف ایک قیامت برپا ہو گئی۔ اور ایک پل میں سوائے دس پانچ بھیڑیوں کے جو زلفی کے حمایتی بن کر دُور جا بیٹھے تھے۔ جس قدر بھیڑیئے تھے۔ روتے پیٹتے چیختے چلّاتے۔ دُہائی دیتے جدھر رستہ ملا بھاگ نکلے۔ اور سارے جنگل میں چراند پھُوٹ نکلی ؎

جب اس ہلّڑ میں شیر بھی ایک چٹان کی اوٹ میں لُڑھک کر کہیں کسی کالے مُنہ کے غار میں جان بچانے کو جا چُھپے۔ اور باغی بھیڑیئے بھی بھاگ گئے تو اب پہاڑ کی چوٹی پر بھیڑیوں کا معزول چودھری۔ بگیرا اور زلفی بیٹھے رہ گئے اس وقت زلفی کو اندر ہی اندر بے چینی سی معلوم ہوئی۔ اس سے پہلے اس طرح کی تکلیف اس کو کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ دو چار سُسکیاں لے کر زار و قطار رونے لگا۔ اور چیخیں مار مار کر بگیرے سے کہنے لگا۔ "بھائی بگیرے۔ بھائی بگیرے بتاؤ تو سہی۔ یہ مجھے کیا ہُوا۔ جنگل سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ میری آنکھوں سے کیا نکلتا ہے۔ کہیں مَیں مرتا تو نہیں۔ بھائی بگیرے۔ بھائی بگیرے۔ ہُو ہُو ہُو" ؎

بگیرا بھی بسورنے لگا۔ اور سیاہ بوتل کے ٹکڑوں پر سے آنسوؤں کی

Taj Tahir Foundation

دو موٹی موٹی بُوندیں لُڑک کر زمین پر گریں۔ پنجے سے آنکھیں پُونچھ کر "نہیں پیارے نہیں۔ اس کو مرنا نہیں کہتے ہیں۔ یہ وہ آنسو ہیں۔ جو ہر جان دار رو دیا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ اب تم سمجھ دار ہو گئے نادان بچے نہیں رہے۔ جنگل بے شک آج تم سے چھُوٹتا ہے۔ اس کا صدمہ ہم سے زیادہ کس کو ہو گا۔ اتنے پریشان و مضطرب نہ ہو۔ ان آنسوؤں کو بہ جانے دو۔ پھر جی ٹھہر جائے گا"۔ اس سے پہلے زلفی نہ جانتا تھا۔ کہ آنسو کیا ہوتے ہیں۔ پر آج تو وہ ایسا چھکا اور پہکا رویا۔ کہ جنگل میں ایسا کوئی نہ رویا ہو گا۔

جب رو دھو کر ذرا دل ٹھہرا تو بولا "لو بھائیو۔ اب ہم آدمیوں میں جاتے ہیں۔ تم سب کو جنگل کے سپُرد کیا۔ پر پہلے اپنی ماں سے جس کا دُودھ پیا ہے مل لُوں"۔ یہ کہہ کر زلفی اُٹھا۔ اور بہت غم زدہ بھٹ کی طرف چلا۔ اور ماں کے گلے لگ کر خوب رویا۔ باوا جان بھیڑیئے نے آب دیدہ ہو کر گلے لگایا۔ اور زلفی نے رو رو کر ان کا سارا باران کوٹ بھگو دیا۔ چھوٹے بھائی بھیڑیوں نے جو سُنا۔ کہ بھیّا جنگل سے چلا جائے گا۔ تو خوب چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ زلفی ایک ایک بھائی کو گلے لگا کر سمجھاتا تھا۔ اور ان سے بار بار کہتا تھا۔ کہ "بھائیو۔ دیکھو ہم کو بھُول نہ جانا"۔

بھیڑیئے بھائی "واہ بھائی۔ ہم تم کو کیونکر بھُول سکتے ہیں۔ آپ اس کا وعدہ کیجئے۔ کہ کبھی کبھی پہاڑ کے نیچے آیا کیجئے گا۔ پھر ہم بھٹ سے نکل کر آپ سے ملنے آیا کریں گے۔ اور رات کو سب مل کر کھیتوں میں خوب کھیلا



کریں گے۔ کیوں بھائی۔ کیوں بھائی کیوں۔ اتنا کیوں روتے ہو۔ ہُو۔ ہُو۔ ہُو۔ ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ رو رو کر زلفی کے مُنہ سے اپنا مُنہ ملتی تھی۔ ماتھا چاٹ چاٹ کر پنجوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی۔ اور کہتی تھی "بیٹا۔ جاتے تو ہو۔ پر ہم کو بھُول نہ جانا۔ تمہارے باوا بڈھے ہو گئے ہیں۔ وہ اس غم میں اپنا جی کھو دیں گے۔ گو تم آدمی کے بچے تھے۔ پر جنگل خوب جانتا ہے۔ کہ تمہارے سامنے اپنے پیٹ کی مامتا کی بھی کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ ہُو۔ ہُو۔ ہُو"۔

زلفی۔ نہیں اماں۔ مَیں ضرور ضرور آؤں گا۔ اور اب کے جب آؤں گا تو اس شیر خاں مُوذی کی کھال کھینچ کر ساتھ لاؤں گا۔ اور چودھری والی چٹان پر اس کو بچھا کر بھیڑیوں کے سردار کو اس پر بٹھاؤں گا۔ اماں دیکھنا تمہارے پیچھے جنگل کے سو دھندے لگے رہتے ہیں۔ کہیں مجھ کو بھُول نہ جانا۔ نہیں تو مَیں مر جاؤں گا۔ لو اب مَیں جاتا ہوں۔ جنگل والوں سے کہہ دینا۔ کہ زلفی تم سب کو یاد کرتا ہُوا جنگل سے رُخصت ہُوا۔ ہُو۔ ہُو۔ ہُو"۔

اس رونے پیٹنے اور رُخصت ہونے میں صبح کے آثار مشرق سے ظاہر ہوئے۔ اور ہمارا زلفی افسردہ دل خستہ حال آنکھوں میں آنسو دل میں درد پہاڑ سے اُترا۔ تاکہ ان جانوروں میں بُود و باش اختیار کرے۔ جن کو دُنیا میں انسان کے نام سے پُکارتے ہیں۔

Taj Tahir Foundation

# پیارے لڑکو

جنگل کی پہلی کہانی ختم ہوئی۔ تم جی میں خفا ہوگے۔ کہ شیر کو جیتا چھوڑ دیا۔ اور زلفی کا حال آگے کچھ نہ سُنایا۔ ایک ایک سے پوچھوگے۔ کہ "پھر کیا ہُوا" پھر کا حال تو یہ ہے۔ کہ زلفی خدا کے فضل سے اب تک زندہ سلامت ہے۔ جنگل میں اس نے بڑے بڑے کام کیئے۔ ہر ایک کام کی ایک جُدا کہانی ہے۔ اگر اس کہانی کو پسند کیا۔ تو اَور کہانیاں بھی سُنائیں گے۔ کہانیا سُنانے والے تو بہت ہیں۔ پر کوئی دل سے سُناتا ہے۔ کوئی اُوپرے دل سے۔ اب تم ہی کہو یہ کہانی کیسی محنت سے لکھ کر تمہیں سنائی ہے۔ جہاں کہیں سمجھ میں نہ آئے۔ مجھ پر خفا نہ ہونا۔ کسی بڑے سے مطلب پُوچھ لینا ٭

(سید حمید علی پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر دار الاشاعت پنجاب ریلوے روڈ لاہور سے شائع کی)

# لڑکوں کے لئے دلچسپ اور پُراز معلومات ناول

**اسّی دن میں دُنیا کا سفر**۔ یہ فرانس کے مشہور ناول نگار جولز ورن کے ایک ناول کا خلاصہ ہے۔ فلیاس نامی لندن کا ایک شخص اپنے دوستوں سے بیس ہزار پاؤنڈ کی یہ شرط لگاتا ہے۔ کہ مَیں اسّی دن میں روئے زمین کا سفر طے کر لوں گا۔ اس سفر میں اسے جو جو واقعات پیش آتے ہیں۔ ان کا حال نہایت حیرت انگیز اور سنسنی پیدا کرنے والا ہے۔ آخر میں فلیاس سائنس کے ایک عجیب و غریب اصول کی بنا پر ہاری ہوئی بازی جیت جاتا ہے قصہ اس قدر دلچسپ اور پراز معلومات ہے۔ کہ لڑکے ایک دفعہ شروع کر کے ختم کئے بغیر کتاب ہاتھ سے نہ رکھیں گے۔ قیمت ۱۰/

**پانچ ہفتے غبارے میں**۔ یہ ناول بھی اسی فرانسیسی ناول نگار کی تصنیف ہے اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ ایک شخص غبارے میں بیٹھ کر کس طرح افریقہ کے براعظم کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اور کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر بالآخر اپنے سفر کو انجام دیتا ہے۔ جولز ورن کے قصوں میں یہ بڑی خوبی ہے۔ کہ انہیں پڑھ کر دل میں اولوالعزمی اور سیاحت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سائنس اور جغرافیہ کی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ سرورق رنگین۔ قیمت ۱۲/

**بحر جنوبی کا سفر**۔ ایک لڑکے کے سفر کی دلچسپ کہانی۔ جو ایک تختے پر تیرتا تیرتا وحشیوں کے جزیرے میں جا پہنچا تھا۔ بے حد دلچسپ اور سنسنی پیدا کرنے والا ناول۔ سرورق رنگین۔ اور اندر فوٹو کی تصویریں۔ قیمت ۷/

**دارالاشاعت پنجاب۔ لاہور**

(سرورق امبت الیکٹرک پریس لاہور میں چھپا)

RY

Taj Tahir Foundation